تدبّر

لاہور

جاری کردہ :

مولانا امین احسن اصلاحی

مدیر

خالد مسعود

یکے از مطبوعات

ادارۂ تدبر قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

قرآن حکیم

- ◆ نفیس کتابت
- ◆ سلیس ترجمہ : مولانا امین احسن اصلاحی
- ◆ حاشیہ : مشتمل بر اخذ و تلخیص از تفسیر تدبر قرآن خالد مسعود
- ◆ سفید زمین اور نیلے حاشیہ کے ساتھ عمدہ طباعت
- ◆ خوبصورت جلد اور کور
- ◆ سائز 20x30/8 صفحات 1008 قیمت 550 روپے

ناشر: فاران فاؤنڈیشن 122 فیروز پور روڈ لاہور

تدبر حدیث

(جلد اول)

شرح مؤطا امام مالکؒ مولانا امین احسن اصلاحی

(کتاب الزکوٰۃ، البیوع، الاقضیہ، الحدود، الاشربہ، العقول، الایمان، وغیرہ سے منتخب ابواب)

- ◆ ترتیب و تدوین : خالد مسعود، سعید احمد
- ◆ فہم حدیث کا ایک نیا انداز
- ◆ مالکی فقہ کی آراء کا محاکمہ
- ◆ خوبصورت طباعت و جلد بندی
- ◆ سائز: 20x30/8 صفحات 544
- ◆ قیمت: 350 روپے

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث، رحمان سٹریٹ مسلم روڈ سمن آباد لاہور

تدبّر
لاہور

جاری کردہ
مولانا امین احسن اصلاحی
مُدیر:
خالد مسعود

شمارہ 70
دسمبر 2000ء
رمضان المبارک 1421ھ

مجلس ادارت
عبداللہ غلام احمد
محبوب سبحانی
سعید احمد
سید اسحاق علی

○

قیمت 12.50 روپے
سالانہ 50.00 روپے
بیرون ملک 250.00 روپے
(ماسوائے برصغیر)

فہرست

تذکرہ و تبصرہ

تدبر کی علمی پیش رفت / خالد مسعود 2

تدبر حدیث

درس صحیح بخاری 3
امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی
رویت ہلال کا مسئلہ امین احسن اصلاحی / احسان الحق 19

اسالیب قرآن

اجمال کے بعد تفصیل خالد مسعود 25

مقالات

مکی اور مدنی دور میں منافقین کا کردار / خالد مسعود 37
قیامت کے بارے میں اشکالات / محبوب سبحانی 47

اشاریہ

تدبر شمارہ ۶۱ تا ۷۰ 55

ناشر: ادارہ تدبر قرآن و حدیث رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خالد مسعود

تدبر کی علمی پیش رفت

اس رسالہ کی اشاعت کے ساتھ تدبر کے ستر شمارے مکمل ہو رہے ہیں۔ یہ سفر بیس سال میں طے ہوا ہے۔ تدبر چونکہ ہمیشہ سے ایک مجموعۂ مضامین کے طور پر چھپتا رہا اس لیے اس کی اشاعت کبھی تین ماہ بعد ہوتی، کبھی اس میں چار ماہ لگ جاتے۔ تاہم اللہ کے فضل سے اس میں تعطل کی کیفیت کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ نیز یہ بھی اللہ کا عظیم احسان رہا کہ اس کے معیار کو قائم رکھنے کی توفیق ملی۔ اس دوران میں قارئین کی طرف سے بارہا یہ مطالبہ ہوا کہ اس کی اشاعت ماہانہ کی جائے لیکن ایسا کرنا تدبر کے معیار کی قربانی دیے بغیر ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اس مطالبہ پر ہمیشہ معذرت کی گئی۔

تدبر کی پچھلی اشاعتوں کے مضامین پر مشتمل کی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں لیکن تدبر حدیث (جلد اول) کی تدوین و اشاعت ایک معرکۃ الآرا کام تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے حال ہی میں سبکدوش فرمایا۔ اس کی جلد دوم (جو موطا امام مالکؒ کے بقیہ ابواب پر مشتمل ہو گی) کی تدوین و ترتیب کے کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کی ابتدائی کتب (الوحی، الایمان اور العلم) کی کمپوزنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ خیال ہے کہ موطا کی جلد دوم سے قبل ہی بخاری شریف کی یہ شرح قارئین تک کتابی شکل میں پہنچ جائے گی۔

اس شمارہ میں اسالیب قرآن کے سلسلہ کا ایک باب شامل اشاعت ہے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ سے معطل تھا۔ اس کی بہت سی اقساط پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ قارئین تسلسل کے لیے پچھلی اشاعتوں پر نظر ڈال لیں تو مفید ہو گا۔

قارئین تدبر کے لیے ایک اہم اطلاع یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کے حواشی جو راقم کے قلم سے ۱۹۸۰ سے ۱۹۹۷ء تک رسالہ میں شائع ہوتے رہے اب چھپ چکے ہیں۔ قرآن مجید کا ایک نسخہ نہایت عمدہ کتابت، مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے ترجمہ اور راقم کے حاشیہ کے ساتھ فاران فاؤنڈیشن (۱۲۲۔ فیروز پور روڈ لاہور) نے چھاپا ہے۔ بعض دوست تفسیر تدبر قرآن کی طوالت سے گھبرا کر اس کے خلاصہ یا اس کو سمجھنے کے لیے ایک زینہ کی طلب محسوس کر رہے تھے، یہ قرآن مجید (جو ایک ہی جلد میں ہے) ان شاء اللہ اس ضرورت کو پورا کرے گا۔ فاران فاؤنڈیشن اس علمی خدمت پر مبارک باد کی مستحق ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی

درس صحیح بخاریؒ

(کتاب البیوع کی روایات)

باب ۱۳۴۰: النھی للبائع ان لا یحفل الا بل والبقر والغنم و کل محفلة

المصراة التی صری لبنھا و حقن فیہ و جمع فلم یحلب ایاما و اصل التصریة حبس الماء یقال منہ صریت الماء اذا حبستہ

باب: اونٹنی یا گائے یا بکری یا اور کسی جانور کے تھن میں دودھ جمع کر رکھنا بائع کے لیے منع ہے۔

مصراۃ وہ جانور ہے جس کے تھن میں دودھ روک کر اکٹھا کر لیا گیا ہو اور کئی روز تک اسے دوہا نہ گیا ہو۔ تصریہ سے اصل مراد پانی روکنا ہے۔ اسی سے صریت الماء ہے یعنی میں نے پانی روک لیا۔

۲۰۱۶۔ حدثنا ابن بکیر حدثنا اللیث عن جعفر بن ربیعة عن الاعرج قال ابو ھریرةؓ عن النبی ﷺ لا تصروا الا بل والغنم فمن ابتاعھا بعد فانہ بخیر النظرین بین ان یحتلبھا ان شاء امسك و ان شاء ردھا و صاع تمر و یذکر عن ابی صالح و مجاھد والولید بن رباح و موسیٰ بن یسار عن ابی ھریرةؓ عن النبی ﷺ صاع تمر و قال بعضھم عن ابن سیرین صاع من طعام وھو بالخیار ثلثا و قال بعضھم عن ابن سیرین صاعا من تمر ولم یذکر ثلثا والتمر اکثر.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اونٹوں اور بکریوں کا دودھ تھن میں نہ روک رکھو۔ ایسا جانور جس نے دودھ روکنے کے بعد خریدا تو اس کو دو معاملوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ چاہے تو اس کو روک رکھے، چاہے تو اس کو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور دودھ کے عوض دے۔ ابو صالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار نے ابو ہریرہؓ سے اور انھوں نے نبی ﷺ سے ایک

صاع کھجور نقل کیا ہے۔ اور بعضوں نے ابن سیرین سے ایک صاع اناج نقل کیا ہے اور کہا کہ خریدار کو تین دن تک اختیار ہوگا۔ اور بعضوں نے ابن سیرین سے ایک صاع کھجور نقل کیا ہے اور تین دن تک کا اختیار ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ ایک صاع کھجور اکثر لوگوں نے نقل کیا ہے۔

وضاحت : جو بیوپاری دودھ دینے والے جانور منڈی میں لے جاتے ہیں تو کچھ وقت کے لیے ان کا دودھ نہیں دوہتے تاکہ تھن بھرے بھرے نظر آئیں اور خریدار یہ سمجھے کہ اس جانور کے دودھ کی مقدار اچھی ہے۔ خریدار جب جانور کو اپنے ہاں لے جاتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا اور ایک مرتبہ دودھ دوہ لینے کے بعد دودھ کی مقدار بہت کم تھی۔ نبی ﷺ نے بیوپاریوں کی اس حرکت کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا کہ اگر کسی شخص نے جانور خریدا اور اسے گھر لے آیا، پھر دودھ دوہنے کے بعد سودے پر مطمئن رہا تو وہ اس کو رکھ سکتا ہے اور اگر سمجھے کہ اس کے ساتھ فریب کیا گیا ہے تو وہ اس کو واپس کردے گا اور ایک صاع کھجور دودھ کے بدلے میں دے گا۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ایک صاع کھجور ہی کیوں، کوئی اور غلہ بھی دے سکتا ہے تو یہ حالات پر مبنی ہے، اور یہ بات درست ہے۔ ہمارے ہاں ایک صاع کھجور دینا آسان نہیں۔ اپنے دیار کا جو غلہ ہو گا وہ دیں گے۔ ویسے احناف اس کے بھی قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں دینا چاہیے اس لیے کہ خریدار کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے تو وہ کیوں دے۔ میرے نزدیک بھی یہ حکم شرعی اس معنی میں نہیں ہے جو واجب التعمیل ہوتا ہے بلکہ ایک اخلاقی بات ہے۔ اخلاق کی تربیت کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے۔ اس میں وزن کا لفظ (صاع) اور شئے کا لفظ (تمر) سب اتفاقی ہے۔

ابن سیرین سے جو روایت ہے اس میں تین دن کے اندر فیصلہ کرنے کی شرط غور طلب ہے۔ روایت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فقہاء کی رائے ہے۔ حدیث میں جب یہ لفظ نہیں ہے تو اس سے کچھ کم یا زیادہ وقت بھی ہو سکتا ہے جس میں خریدار کی تسلی ہو جائے اور وہ کوئی فیصلہ کر سکے۔

باب میں امام صاحب نے گائے اور ہر جانور کا ذکر کردیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ ہمارے ہاں بھینس پائی جاتی ہے تو اس کے سودے میں بھی مصراۃ کا لحاظ ہوگا اور خریدار کو شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ دو چار وقت دودھ دوہ کر دیکھ لے کہ بھینس کتنا دودھ دیتی ہے۔

۲۰۱۷۔ حدثنا مسدد حدثنا معتمر قال سمعت ابی یقول حدثنا ابو عثمان عن عبداللہ بن مسعودؓ قال من اشتریٰ شاۃ محفلۃ فردھا فلیرد معھا صاعا من تمر و نھی عن النبی ﷺ ان تلقی البیوع .

ترجمہ : عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا جس نے کسی ایسی بکری کو خریدا جس کا دودھ روکا گیا تھا تو اس کو لوٹا دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے۔ اور نبی ﷺ نے اس بات سے روکا ہے کہ بستی سے آگے بڑھ کر مال لانے والوں سے معاملہ کیا جائے۔

وضاحت : اگر خریدار کو بعد میں اندازہ ہو جائے کہ بکری کے تھن میں دودھ روکا گیا تھا اور وہ اتنا دودھ دینے والی نہیں جتنا کہ ظاہر لگ رہا تھا تو وہ بکری لوٹا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کھجور موقع کے لحاظ سے ہے اور اتفاقی ہے۔ آپ وہ غلہ جو آپ کے ہاں عام ہے لوٹا سکتے ہیں۔ گویا یہ مقدار اس دودھ کی قیمت ہوگی جو دوہا گیا۔

مال لانے والوں سے آگے بڑھ کر معاملہ کرنے سے جو روکا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کو مارکیٹ میں لانے دیا جائے تاکہ آنے والوں کو بھاؤ کا پتہ چلے اور مختلف خریدار انہیں پیش کش کرکے بیچنے والے کو موقع فراہم کریں تاکہ مارکیٹ کے بھاؤ پر اسے مناسب دام ملیں۔ یہ نہ ہو کہ کوئی بستی سے آگے بڑھ کر اس سے کم داموں سودا کرکے دھوکا دیدے۔ اس طرح آگے بڑھ کر سودا کرنے سے مارکیٹ کو بھی نقصان ہو سکتا ہے، شہریوں کو بھی اور خود بیچنے والے کو بھی۔ اس لیے اس سے روکا ہے۔

۲۰۱۸۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف اخبرنا مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لا تلقوا الرکبان ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض ولا تناجشوا ولا یبیع حاضر لباد ولا تصروا الغنم ومن ابتاعھا فھو بخیر النظرین بعد ان یحتلبھا ان رضیھا امسکھا و ان سخطھا ردھا و صاعا من تمر

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگے بڑھ کر تجارتی قافلوں سے معاملہ کرنے کی کوشش نہ کرو، اور تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر اپنی بیع نہ کرے، اور بولی دے کر قیمتیں بڑھانے کی کوشش نہ کرو اور کوئی شہری باہر سے آنے والے دیہاتی کے لیے دلال نہ بنے اور بکریوں کا دودھ تھن میں جمع کرکے مغالطہ نہ دو۔ اور جس نے اس طرح کی کوئی بکری خریدی تو وہ دو باتوں میں سے ایک کا اختیار رکھتا ہے، اگر وہ مطمئن ہو تو اس کو رکھ لے اور اگر ناپسند ہو تو اس کو واپس کردے اور

اس کے ساتھ ایک صاع کھجور دے دے۔

وضاحت : حضرت ابوہریرہؓ نے اس ایک روایت میں بہت سے احکام جمع کر دیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب احکام مختلف اوقات میں دیے گئے ہیں۔

لا تلقوا الرکبان. یعنی جب معلوم ہو کہ کوئی تجارتی قافلہ آرہا ہے تو آگے بڑھ کر اس سے معاملہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ پچھلی روایت میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض. مطلب یہ ہے کہ جب سنیں کہ فلاں اور فلاں کے درمیان کسی چیز کی خرید و فروخت پر گفتگو ہو رہی ہے اور آپ بیچ میں پڑ کر اپنی پیشکش کر دیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ انتظار کرنا چاہیے کہ وہ دونوں معاملہ ختم کر لیں اور اگر ان کے درمیان معاملہ طے نہیں ہوا تو پھر آپ اپنی پیشکش کریں۔

ولا تناجشوا. یعنی قیمتیں بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ بعض اوقات ایک بائع اور ایک خریدار کے مابین سودا طے پا رہا ہوتا ہے۔ خریدار مال کی قیمت کی بولی لگاتا ہے۔ آپ کی کوئی چیز خریدنے کی نیت نہیں ہوتی لیکن آپ یہ کرتے ہیں کہ اس مال کی زیادہ بولی لگا دیتے ہیں۔ آپ کی زیادہ بولی دیکھ کر حقیقی خریدار زیادہ قیمت پر معاملہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قیمت بڑھانے کے لیے اس طرح بولی لگانا نجش کہلاتا ہے۔ یہ عوام کے لیے ضرر کا باعث ہوتا ہے۔ اس طرح نجش کرنے والا تو بائع کو زیادہ قیمت دلوا کر اپنا کمیشن کھرا کرے گا یا مارکیٹ میں مصنوعی طور پر قیمتیں بڑھانے کے لیے بھی یہ حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی کاروبار میں فریب دہی کی ایک کوشش ہے۔

لا یبیع حاضر لباد. کوئی شہری کسی دیہاتی کا دلال نہ بنے۔ یہ فتنہ ہمارے ہاں بھی پایا جاتا ہے کہ دیہاتی جو مال منڈی میں لاتے ہیں خود ان کو فروخت نہیں کرنے دیا جاتا بلکہ آڑھتی ان سے مال لے لیتے ہیں اور پھر اپنی من مانی قیمتیں لگا کر خود بیچتے ہیں۔ اس طرح دیہاتی اپنے مال کا پورا عوض حاصل نہیں کر پاتے لیکن دلال مفت میں غیر معمولی منافع حاصل کر لیتے ہیں۔ شہروں میں قربانی کے جانوروں کی آمد کے ساتھ ہی دلال متحرک ہو جاتے ہیں اور مال لانے والوں کو اس کے صحیح فائدہ سے متمتع نہیں ہونے دیتے۔ اسلام ہر معاملہ میں عدل و انصاف چاہتا ہے۔ لہٰذا مارکیٹ میں قیمتوں کے تعین کی ہر مصنوعی کوشش کو بالخصوص جس میں ضرر اور غرر (دھوکا) پایا جائے، ممنوع قرار دیتا ہے۔

لا تصروا الغنم. جانوروں کی بیع میں فریب کی اس شکل کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے کہ بائع ایک دو دن دودھ نہیں نکالتا تاکہ جانور کے تھن بھرے ہوئے نظر آئیں اور خریدار دودھ کی مقدار کے بارے میں دھوکا کھا جائے۔ اس بارے میں تعلیم دی کہ اس طرح کا فریب خوردہ شخص جانور لوٹانے کا حق رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اس دودھ کی قیمت ادا کر دے گا جو اس نے نکالا۔

۲۰۱۹۔ حدثنا محمد بن عمرو حدثنی المکی اخبرنا ابن جریج قال اخبرنی زیاد ان ثابتا مولی عبدالرحمن بن زید اخبرہ انہ سمع اباھریرۃؓ یقول قال رسول اللہ ﷺ من اشتری غنما مصراۃ فاحتلبھا فان رضیھا امسکھا فان سخطھا ففی حلبتھا صاع من تمر.

ترجمہ : ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایسی بکری خریدے جس کے تھن میں دودھ اکٹھا کیا گیا ہو، پھر اس کا دودھ دوہے، تو اس کو اختیار ہے کہ اگر اس سے مطمئن ہو تو اس کو رکھ لے اور اگر ناپسند کرتا ہو تو لوٹا دے، دودھ کا بدل ایک صاع کھجور دیدے۔

وضاحت : یہ وہی روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

باب ۱۳۴۲ : بیع العبد الزانی و قال شریح ان شاء رد من الزنا

باب زانی غلام کی بیع کے بارے میں اور شریح نے کہا خریدار اگر چاہے تو زنا کے سبب سے غلام کو پھیر سکتا ہے

۲۰۲۰۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف حدثنا اللیث قال حدثنی سعید المقبری عن ابیہ عن ابی ھریرۃؓ انہ سمعہ یقول قال النبی ﷺ اذا زنت الامۃ فتبین زناھا فلیجلدھا ولا یثرب ثم ان زنت فلیجلدھا ولا یثرب ثم ان زنت الثالثۃ فلیبعھا ولو بحبل من شعر.

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اگر کوئی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس کو کوڑے لگوائے جائیں اور اس پر لعن طعن نہ کی جائے۔ اور اگر زنا کی پھر مرتکب ہو تو پھر کوڑے مارے جائیں اور اسے نہ جھڑکا جائے۔ اگر پھر وہ تیسری بار کرے تو اس کو بیچ ڈالے، چاہے ایک بالوں کی رسی کے بدل ہی کیوں نہ ہو۔

وضاحت : میرا خیال یہ ہے کہ اب غلامی کے یہ مسائل ہماری دلچسپی کے نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلامی کے مسئلے سے اب آپ سبکدوش ہیں۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اب اس کی حکمت پر زیادہ غور

کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لونڈیوں اور غلاموں کو ان کے پست اخلاقی معیار کے لحاظ سے وہ سزا تو نہیں دی جاتی تھی جو ایک حر کو دی جاتی ہے اس لیے کہ ان کے اخلاقی تحفظ کا وہ سامان بھی نہیں تھا جو ایک حر کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دوبارہ جرم کی صورت میں لونڈیوں کے ساتھ یہ رعایت تھی کہ ان کو جلد کی سزا دی جائے گی اور اگر پھر بھی اس حرکت سے باز نہ آئیں تو ان کو بیچ دیا جائے گا۔

۲۰۲۱۔ حدثنا اسمعیل قال حدثنی مالک عن ابن شہاب عن عبیداللہ بن عبداللہ عن ابی ہریرۃؓ و زید ابن خالد ان رسول اللہ ﷺ سئل عن الامۃ اذا زنت و لم تحصن قال ان زنت فاجلدوھا ثم ان زنت فاجلدوھا ثم ان زنت فبیعوھا ولو بضفیر قال ابن شہاب لا ادری أبعد الثالثۃ او الرابعۃ.

ترجمہ: ابوہریرہؓ اور زید بن خالد دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر لونڈی محصنہ (بیاہی ہوئی) نہ ہو اور وہ زنا کرے تو کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کوڑے مارو۔ اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر کرے تو اس کو بیچ ڈالو، چاہے ایک رسی کے عوض سہی۔ ابن شہاب نے کہا مجھے یاد نہیں کہ تیسری بار کے بعد بیچنے کا کہا یا چوتھی بار کے بعد۔

وضاحت: یہ بات یاد رکھیے کہ اس میں یہ جو آتا ہے کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں تو میرے نزدیک کوڑے لگانے کا کام بہر حال حکومت کی نگرانی میں ہو سکتا ہے۔ دوسری روایات پر غور کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عام اشخاص یہ کام نہیں کر سکتے۔ قانون کا نفاذ بہر حال اتھارٹی کرے گی۔ غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں جس طرح کا اختیار بیان کیا گیا ہے یہ سب بعد کا ذخیرہ ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ یہ فقہاء کی ذہانت ہے، اس لیے کہ اس میں بہت کچھ ان کلیات کے منافی ہے جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

باب ۱۳۴۳۔ البیع والشراء مع النساء

باب عورتوں سے خرید و فروخت کرنے کے بارے میں

۲۰۲۲۔ حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب عن الزھری قال عروۃ بن الزبیر قالت عائشۃ دخل علی رسول اللہ ﷺ فذکرت له فقال رسول اللہ ﷺ اشتری و اعتقی فان الولاء لمن اعتق ثم قام النبی ﷺ من العشی فاثنی علی اللہ بما ھو اھلہ ثم قال ما بال اناس

یشترطون شروطا لیس فی کتاب اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان اشترط مائۃ شرط شرط اللہ احق و اوثق.

ترجمہ: سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم خرید لو اور آزاد کر دو۔ ولاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ پھر نبی ﷺ سہ پہر میں اٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ثنا کی، پھر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، وہ ایسی شرطیں عاید کرتے ہیں جن کا کتاب اللہ میں کوئی نشان نہیں ہے۔ تو جس نے بھی کوئی شرط ایسی عاید کی جو کتاب اللہ میں نہیں تو وہ باطل ہے، اگرچہ وہ سو شرطیں عاید کر لے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی شرط سب سے زیادہ مبنی بر حق اور مضبوط ہے۔

وضاحت: راوی نے روایت کرنے میں اس واقعہ کے بہت ضروری حصے چھوڑ دیے ہیں جس کی وجہ سے اس میں ابہام پیدا ہو گیا ہے اور ایک عام آدمی اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے ذکر کیا۔ یہاں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ کس امر کا ذکر کیا۔ وہ ذکر اس بات کا تھا کہ سیدہ عائشہؓ کو ایک لونڈی بریرہ بہت پسند تھی۔ ان کی خواہش ہوئی کہ اس کو اس کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیں۔ جب انھوں نے بریرہ کے مالکوں سے اس کے بارے میں گفت و شنید کی تو معلوم ہوا کہ وہ لونڈی کو بیچنے کے لیے تو تیار ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ جب یہ آزاد ہو جائے تو اس کا ولاء انھی کو حاصل ہو۔ حضرت عائشہؓ نے یہ مسئلہ نبی ﷺ کے سامنے رکھا۔

عربوں کے ہاں ولاء کی بڑی اہمیت تھی۔ قبائلی زندگی تھی۔ بہت سے مسائل جو افراد قبیلہ پیدا کر دیتے قبیلہ ان کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اگر دیت دینی پڑتی یا کوئی تاوان ادا کرنا پڑ جاتا تو پورا قبیلہ اس ذمہ داری کو اپنے سر لے لیتا۔ غلاموں کے معاملہ میں یہ ہوتا کہ جب تک غلام کسی فرد یا قبیلہ کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا تو مالک اس کا ذمہ دار ہوتا۔ لیکن اگر کسی غلام کو آزاد کر دیا جاتا اور اس کا نہ اپنا خاندان ہوتا نہ اقربا اور برادری، تو اس کو معاشرہ میں کھپانے کے لیے ناگزیر ہوتا کہ اس کو کسی خاندان کا فرد مانا جائے تاکہ اگر وہ کوئی جرم کرے تو وہ خاندان اس کی ذمہ داری میں شریک ہو۔ اسلام نے جب غلاموں کی آزادی کی راہ کھولی تو یہ اصول دیا کہ جو کسی غلام کو آزاد کرے گا اس کا ولاء اس کے پاس ہو گا۔ مطلب یہ ہے کہ غلام اگر کوئی وراثت چھوڑے گا تو وہ آزاد کرنے والے کی ہو گی اور ذمہ داری میں بھی آزاد کرنے

والا شریک ہو گا۔

بریرہؓ کے پاس کچھ مال تھا۔ اس لیے مالکوں نے چاہا کہ اس کا ولاء انھیں حاصل رہے تاکہ یہ دولت کہیں اور نہ جانے پائے۔ حضرت عائشہؓ کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید لو اور آزاد کر دو۔ ولاء اس کے لیے ہوتا ہے جو آزاد کرتا ہے۔ پھر آپ نے مسجد نبوی میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ کوئی شرط اللہ کی کتاب کے خلاف نہیں عائد کی جا سکتی۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کتاب اللہ کی شرائط کے علاوہ اپنی طرف سے شرطیں عائد کر کے معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی ہر شرط باطل ہے۔

اللہ کی کتاب کا لفظ ایک جامع لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز دین کے منشاء کے مطابق ہے، اقتضائے سنت ہے، نص کتاب سے ثابت ہے تو یہ سب کتاب اللہ ہے۔ اگر قرآن میں نہیں لیکن قرآن کے تقاضوں کے مطابق ہے اور کسی حدیث میں ہے تو یہ سب کتاب اللہ کے مطابق ہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں تو پانچ وقت کی نمازوں کا تفصیل سے ذکر بھی نہیں ہے۔ یہ تفصیل سنت سے ثابت ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی معنی میں فرمایا کہ جو شرط شریعت کے خلاف ہے وہ شرط نہیں مانی جائے گی۔ آپ نے اس کو باطل ٹھہراتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی کی شرط مضبوط بھی ہے اور اسی کو اولیت دی جائے گی۔

۲۰۲۳۔ حدثنا حسان بن ابی عباد حدثنا همام قال سمعت نافعا یحدث عن عبدالله بن عمرؓ ان عائشة ساومت بریرة فخرج الی الصلوة فلما جاء قالت انهم ابوا ان یبیعوها الا ان یشترطوا الولاء فقال النبی ﷺ انما الولاء لمن اعتق. قلت لنافع حرا کان زوجها او عبدا فقال ما یدرینی.

ترجمہ: نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کے مالکوں سے اس کا مول طے کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نماز کے لیے نکل گئے۔ جب آپ لوٹ کر آئے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ بریرہ کے مالکوں نے اس کو بیچنے سے انکار کر دیا ہے الا یہ کہ ان کی یہ شرط مانی جائے کہ ولاء ان کا ہو گا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ولاء اس کا ہوتا ہے جو آزاد کرے۔ ہمام کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا: بریرہ کا خاوند آزاد تھا یا غلام، انھوں نے کہا میں نہیں جانتا۔

وضاحت: تنہا یہ روایت بھی بڑی مبہم ہے اگرچہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو راوی حضرات نہایت بے احتیاطی سے روایت کرتے ہیں اور واقعہ کی صحیح تصویر سامنے نہیں لاتے یا یہ کتاب نقل کرنے والوں کے کرشمے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بریرہؓ کی قیمت کی بات ہو رہی تھی کہ نماز کا وقت آ گیا اور نبی ﷺ نماز کے لیے نکل گئے۔ جب آپ لوٹ کر آئے تو حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ بریرہ کے مالک بضد ہیں کہ ولاء ان کا ہو گا تب وہ بیچنے کے لیے راضی ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ آزاد کردہ غلام کا ولاء اس کا ہوتا ہے جو اس کو آزاد کرتا ہے۔

یہ بات کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا یا غلام، یہاں کوئی مقام نہیں رکھتی۔

باب ۱۳۴۴۔ هل یبیع حاضر لباد بغیر اجر و هل یعینه او ینصحه و قال النبی ﷺ اذا استنصح احدکم اخاه فلینصح له و رخص فیه عطاء

باب اس بارے میں کہ کیا بستی والا باہر والے کا مال بغیر اجرت لیے بیچ سکتا ہے اور کیا اس کی مدد اور اس کو نصیحت کر سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی سے صلاح خیر چاہے تو اس کو اچھی صلاح دے اور عطا نے اس میں رخصت دی ہے۔

اوپر حدیث ۲۰۱۸ میں اس مضمون کی وضاحت کی گئی تھی کہ شہری کسی دیہاتی کا مال تجارت دلال بن کر فروخت نہ کرے کیونکہ اس میں ضرر اور غرر کا اندیشہ ہے اور یہ چیزیں تجارت کو باطل کرنے والی ہیں۔ اب اس باب میں امام صاحب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر کوئی آدمی دلال بن کر نہیں بلکہ ایک دیہاتی کو نقصان سے بچانے اور اس کی خیر خواہی کے لیے بلا معاوضہ اس کا مال بازار میں بیچتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہو گا۔ اس سلسلہ میں امام صاحب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے اور عطاء بن ابی رباحؒ کا فتویٰ بھی بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا رجحان اس طرف ہے کہ دلال بننے کی ممانعت اس صورت میں نہیں ہو گی جب خیر خواہی پیش نظر ہو اور آدمی ایک دیہاتی کو شہریوں کے فریب سے بچانا چاہتا ہو۔

تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جب نبی ﷺ کے حکم کی مصلحت ذہن میں رکھی جائے اور ضرر و غرر سے کسی شخص کو بچانا مقصود ہو تو خیر خواہی کرتے ہوئے کسی کا مال صحیح قیمت پر فروخت کروا دینے میں قباحت کا کوئی سوال نہیں۔ امام صاحب کا رجحان بھی صحیح ہے اور عطاء کا فتویٰ بھی۔

۲۰۲۴۔ حدثنا علی بن عبداللہ حدثنا سفیان عن اسماعیل عن قیس سمعت جریرا بایعت رسول اللہ ﷺ علی شهادة ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و اقام الصلوٰة و ایتاء الزکوٰة والسمع والطاعة والنصح لکل مسلم.

ترجمہ : قیس کہتے ہیں کہ میں نے جریر کو بیان کرتے سنا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اس گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز کے اہتمام پر، زکوٰۃ دینے پر، سمع وطاعت پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔

وضاحت : اس حدیث میں جریرؓ کی بیعت کا ذکر ہے جو معلوم ہوتا ہے ان کے اسلام لانے کے وقت کی ہے کیونکہ اس میں اس شہادت کا بھی ذکر ہے جو اسلام قبول کرتے ہوئے دی جاتی ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتا اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہوں۔ اس بیعت میں نماز اور زکوٰۃ کے اہتمام کا عہد ہے جو اسلامی شریعت کا خلاصہ ہیں۔ اس کے بعد اس بات کا عہد ہے کہ میں ہر حکم غور سے سنوں گا اور اس کو مانوں گا۔ یہ عہد بھی ہر مسلمان کا نبی ﷺ کے ساتھ ہے کہ آپ دین کا جو حکم اور تقاضا بتائیں گے ہم اس پر پوری وفاداری کے ساتھ عمل کریں گے۔ بیعت کا آخری جزء ہر مسلمان کی خیر خواہی ہے۔ خواہ وہ مسلمان حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، قرابتدار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان اپنے مفاد کے لیے دوسرے مسلمان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

بیعت کے اس آخری جزو سے امام صاحب یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ خیر خواہی کے جذبے کے تحت کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال بازار میں بیچ سکتا ہے۔

۲۰۲۵۔ حدثنا الصلت بن محمد حدثنا عبدالواحد حدثنا معمر عن عبداللہ بن طاؤس عن ابیه عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تلقوا الرکبان ولا یبیع حاضر لباد قال فقلت لابن عباس ما قوله لا یبیع حاضر لباد قال لا یکون له سمسارا.

ترجمہ : عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تجارتی قافلوں سے آگے بڑھ کر نہ ملو اور کوئی مقیم کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اس حکم کا مطلب کیا ہے کہ کوئی مقیم کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کا دلال نہ بنے۔

وضاحت : 'سمسار' کسی معاملہ کو سنبھالنے والے اور اس کی نگرانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہیں سے

یہ لفظ خرید و فروخت کے معاملہ کو طے کرانے والے کے لیے استعمال ہوا۔ گویا آڑھتی، دلال، پراپرٹی ڈیلر وغیرہ اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

حدیث کے اصل حکم کی وضاحت اوپر حدیث ۲۰۱۷ کے تحت ہو چکی ہے۔ اس زمانہ میں دلالی اور آڑھت ایک ایسا پیشہ بن گئی ہے جس کے ساتھ معاملہ کیے بغیر نہ کسان اپنی پیداوار بیچ سکتے ہیں اور نہ ملک بھر میں اس کو پھیلانا اور ہر جگہ مہیا کرنا ہی کسی کے لیے ممکن ہے۔ نبی ﷺ نے جن قباحتوں کی بنا پر دلالی سے روکا تھا وہ سب کی سب قباحتیں ہماری منڈیوں میں موجود ہیں۔ کسانوں کو ان کی محنت کی پوری قیمت نہیں ملتی۔ وہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ آڑھتی ان کو قرض کی سہولت فراہم کر کے پہلے سے ان کی پیداوار کے مالک بن جاتے ہیں۔ اونے پونے ان کا مال خریدتے اور خود اچھے داموں بیچتے ہیں۔ اس طرح دلال یا مڈل مین دونوں ہاتھوں سے منافع کماتا ہے اور اشیائے ضروریہ کی مہنگائی کا سبب بنتا ہے۔ نبی ﷺ کے حکم کے منشا کے مطابق اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے اور یہی عوام الناس کی خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

باب ۱۳۵۵۔ من کره ان یبیع حاضر لباد باجر

باب جس نے اجرت لے کر مقیم کے کسی دیہاتی کے لیے مال بیچنے کو مکروہ جانا

۲۰۲۶۔ حدثنی عبداللہ بن صباح حدثنا ابو علی الحنفی عن عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار قال حدثنی ابی عن عبداللہ بن عمرؓ قال نهی رسول اللہ ﷺ ان یبیع حاضر لباد وبه قال ابن عباس.

ترجمہ : عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک مقیم کسی دیہات والے کا مال بیچے۔ ابن عباسؓ کا فتویٰ اسی پر ہے۔

وضاحت : حدیث کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں امام صاحب نے صرف ابن عباسؓ کی تائید نقل کی ہے۔

باب ۱۳۴۶۔ لا یبیع حاضر لباد بالسمسرة و کره ابن سیرین و ابراهیم للبائع والمشتری و قال ابراهیم ان العرب تقول بع لی ثوبا و هی تعنی الشراء

باب کوئی مقیم کسی دیہاتی کے لیے دلال بن کر خرید و فروخت نہ کرے۔

ابن سیرین اور ابراہیم نے اس کو بائع اور مشتری دونوں کے لیے مکروہ جانا ہے۔ ابراہیم نے کہا عرب جب کہتے ہیں بع لی ثوبا تو ان کی مراد خریداری سے ہوتی ہے۔

وضاحت: بیع کا لفظ خرید اور فروخت دونوں کے لیے بھی آتا ہے، کیونکہ بارٹر سسٹم کے تحت اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ایک شے خریدی جاتی ہے تو دوسری شے اس کی قیمت قرار پاتی ہے۔ یہ گویا اس بات کی دلیل ہوئی کہ جب شہری کا دیہاتی کے لیے خرید و فروخت کرنا مکروہ ہے تو خریدار اور فروخت کنندہ دونوں برابر اس مکروہ کام کے ذمہ دار ہوں گے۔

۲۰۲۷ـ حدثنا المكي بن ابراهيم قال اخبرني بن جريج عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب انه سمع اباهريرةؓ يقول قال رسول الله ﷺ لا يبتع المرء على بيع اخيه ولا تناجشوا ولا يبع حاضر لباد

ترجمہ: ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کے مول پر مول نہ کرے اور قیمتیں بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ نہ بستی والا باہر والے کے لیے خرید و فروخت کرے۔

۲۰۲۸ـ حدثنا محمد بن المثنیٰ حدثنا معاذ حدثنا ابن عون عن محمد قال انس بن مالك نهينا ان يبيع حاضر لباد.

ترجمہ: انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کی ممانعت ہوئی کہ بستی والا باہر والے کے لیے خرید و فروخت کرے۔

وضاحت: مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کی وضاحت اوپر آچکی ہے۔

باب ۱۳۴۷ـ النهي عن تلقي الركبان و ان بيعه مردود لان صاحبه عاص آثم اذا كان به عالما وهو خداع في البيع والخداع لا يجوز

باب آگے جاکر تجارتی قافلوں سے ملنے کی ممانعت اور ایسی بیع لوٹائی جائے گی کیونکہ ایسا کرنے والا نافرمان اور حق تلفی کرنے والا ہے جب کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہو۔ اور یہ بیع ایک فریب ہے اور فریب جائز نہیں۔

۲۰۲۹ـ حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالوهاب حدثنا عبيدالله عن سعيد بن ابي سعيد عن ابي هريرة قال نهى النبي ﷺ عن التلقي و ان يبيع حاضر لباد

ترجمہ: ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قافلہ والوں سے آگے بڑھ کر ملنے سے اور بستی والے کو باہر والے کا مال بیچنے سے منع فرمایا۔

۲۰۳۰ـ حدثني عياش بن الوليد حدثنا عبدالاعلى حدثنا معمر عن ابی طاؤس عن ابيه قال سالت ابن عباس ما معنى قوله لا يبيعن حاضر لباد فقال لا يكن له سمسارا

ترجمہ: طاؤس کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے کہ بستی والا باہر والے کا مال نہ بیچے، انہوں نے کہا اس کا دلال نہ بنے۔

۲۰۳۱ـ حدثنا مسدد حدثنا يزيد بن زريع قال حدثنا التيمي عن ابي عثمان عن عبدالله قال من اشترى محفلة فليرد معها صاعا قال و نهى النبي ﷺ عن تلقي البيوع.

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی دودھ جمع کی ہوئی بکری خریدے وہ اس کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع دے دے اور آنحضرت ﷺ نے قافلہ والوں سے آگے بڑھ کر ملنے سے منع فرمایا ہے۔

۲۰۳۲ـ حدثنا عبدالله بن يوسف اخبرنا مالك عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال لا يبيع بعضكم على بيع بعض ولا تلقوا السلع حتى يهبط بها الى السوق

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور آگے بڑھ کر اس مال تک نہ پہنچو جو باہر سے آرہا ہو جب تک کہ وہ بازار میں نہ جا اترے۔

وضاحت: ان تمام روایات کا مضمون ایک جیسا ہے اور اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

یہ چیز نوٹ کرنے کی ہے کہ باب باندھتے ہوئے امام صاحب نے بیع کے مردود ہونے کا جو فتویٰ دیا ہے، روایات میں وہ اس کے حق میں کوئی دلیل نہیں لا سکے۔ باطل طریقے سے اگر کوئی دو پارٹیاں باہم معاملہ کر لیتی ہیں تو قانون کی نظر میں وہ منعقد ہو جاتا ہے۔ البتہ ذرائع کے باطل ہونے کے باعث وہ معاملہ کرنے والے گناہگار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر حکومت اس کے لیے قانون وضع کر کے نافذ کر دیتی ہے تو بائع اور مشتری دونوں مستوجب سزا ہوں گے۔ بھرے تھنوں والی بکری میں نقص ظاہر ہونے پر بھی اگر مشتری اس کو واپس نہ کرنا چاہے تو بیع منعقد ہو جائے گی اور بیچنے والا فریب دہی کا مرتکب ہونے کے باعث عنداللہ گنہگار ہوگا۔

باب ۱۳۴۸۔ منتهى التلقى.

باب اس بارے میں کہ کتنی دور آگے جا کر تجارتی قافلہ سے ملنا جائز ہے

۲۰۳۳۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل حدثنا جویریة عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ قال كنا نتلقى الركبان فنشترى منهم الطعام فنهانا النبى ﷺ ان نبيعه حتى يبلغ به سوق الطعام قال ابو عبدالله هذا فى اعلى السوق يبينه حديث عبيدالله

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم آگے جا کر تجارتی قافلہ سے ملا کرتے اور ان سے غلہ خریدتے پھر آنحضرت ﷺ نے ہم کو غلہ اسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ اس کو غلہ منڈی میں نہ پہنچایا جائے۔

ابو عبداللہ (امام بخاری) کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ملنا بازار کے بالائی حصہ میں ہوتا۔ عبیداللہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

۲۰۳۴۔ حدثنا مسدد حدثنا يحيىٰ عن عبيدالله قال حدثنى نافع عن عبدالله بن عمرؓ قال كانوا يبتاعون الطعام فى اعلى السوق فيبيعونه فى مكانهم فنهاهم رسول الله ﷺ ان يبيعوه فى مكانه حتى ينقلوه

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگ بازار کے بالائی حصہ میں غلہ خریدتے اور پھر اس کو وہیں بیچ ڈالتے۔ تب آنحضرت ﷺ نے ان کو منع کیا کہ غلہ وہاں نہ بیچیں جب تک کہ اس کو وہاں سے منتقل نہ کر لیں۔

وضاحت: معلوم ہوتا ہے کہ بیرون سے غلہ لانے والے جونہی بازار میں داخل ہوتے تو خریدار ٹوٹ پڑتے اور وہیں سودے طے پا جاتے۔ اس زمانہ میں نقل و حمل کی مشکلات کے باعث ضروریات زندگی کی فراہمی بھی بہت مشکل ہو جاتی تھی۔ جب کوئی قافلہ آتا تو لوگ فوراً اس کو جا لیتے تاکہ مال ختم نہ ہو جائے۔ اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شہر سے نکل کر غلہ خریدتے ہوں۔ بازار کا بالائی حصہ بھی بہر حال شہر کے اندر تھا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی جو ممانعت نقل ہوئی ہے وہ دوسرے مسئلہ میں ہے۔ یعنی یہ کہ جہاں سودا طے پایا ہو وہاں سے جب تک مال دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے تو اس کا دوسری جگہ سودا کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اس کے بارے میں احادیث پیچھے گزر چکی ہیں۔

باب ۱۳۴۹۔ اذا اشترط شروطا فى البيع لا تحل

باب اس بارے میں کہ اگر کسی نے بیع میں ایسی شرطیں رکھیں جو جائز نہیں

۲۰۳۵۔ حدثنا عبدالله بن يوسف اخبرنا مالك عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشةؓ قالت جاءتنى بريرة فقالت كاتبت اهلى على تسع اواق فى كل عام اوقية فاعينينى فقلت ان احب اهلك ان اعدها لهم و يكون ولاؤك لى فعلت فذهبت بريرة الى اهلها فقالت لهم فابوا عليها فجاءت من عندهم و رسول الله ﷺ جالس فقالت انى قد عرضت ذالك عليهم فابوا الا ان يكون الولاء لهم فسمع النبى ﷺ فاخبرت عائشةؓ النبى ﷺ فقال خذيها و اشترطى لهم الولاء فانما الولاء لمن اعتق ففعلت عائشةؓ ثم قام رسول الله ﷺ فى الناس فحمد الله واثنى عليه ثم قال اما بعد ما بال رجال يشترطون شروطا ليست فى كتاب الله ما كان من شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل و ان كان مائة شرط قضاء الله احق و شرط الله اوثق و انما الولاء لمن اعتق.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بریرہ میرے پاس آئی اور کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیے چاندی پر مکاتبت کی ہے، ہر سال میں ایک اوقیہ دینا ہوگا تو میری کچھ مدد فرمائیے۔ میں نے کہا کہ اگر تیرے مالک مانتے ہیں تو میں ان کو یکمشت سب دے دیتی ہوں اور تیرا ولاء مجھے حاصل ہوگا۔ بریرہ اپنے مالکوں کے پاس گئی۔ ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے انکار کیا۔ پھر وہ لوٹ کر آئی تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے ان کو پیشکش بتائی لیکن وہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ولاء تو ہمارے پاس رہے گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن لیا تو حضرت عائشہؓ نے آپ کو معاملہ کی خبر کر دی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو بریرہ کو خرید لے اور ان کی ولاء کی شرط مان لے کیونکہ ولاء تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے گا۔ حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لیے لوگوں میں کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی جیسے چاہیے حمد و ثنا کی، پھر اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ جو شرط اللہ نے جائز نہیں رکھی وہ باطل اور لغو ہے، اگرچہ کوئی سو بار وہ شرط لگائے۔ اللہ کا حکم سب پر مقدم ہے اور اللہ کی شرط ہی سب سے مضبوط ہے۔ ولاء اس کا ہے جو آزاد کرے۔

وضاحت: 'مکاتبت' غلامی سے آزاد ہونے کی وہ شکل ہے جس میں غلام اپنے مالک سے یہ معاہدہ کر لیتا

تھا کہ وہ مقرر کردہ رقم ادا کرنے کے بعد آزاد کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں مکاتبت کا باقاعدہ حکم آیا ہے کہ باصلاحیت غلام اگر ایسا معاہدہ کرنا چاہیں تو مالک لازماً ان کو یہ سہولت دیں گے۔ بریرہ کی قیمت نو اوقیہ چاندی مقرر ہوئی اور سالانہ ایک اوقیہ انھیں ادا کرنا تھا۔

یہ وہی روایت ہے جو اوپر حدیث ۲۰۲۲، ۲۰۲۳ میں گزر چکی ہے۔ یہاں کچھ مزید تفصیلات ہیں۔ مثلاً بریرہ کی قیمت اور حضرت عائشہؓ کی یہ پیشکش کہ وہ تمام رقم یک مشت ادا کرنے کو تیار ہیں۔

اس روایت میں نبی ﷺ کی طرف جو یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ بریرہ کو خرید لے اور ان کی ولاء کی شرط مان لے، تو اس پر بحث پیدا ہو گئی ہے۔ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اس کو نہیں مانتے کیونکہ یہ تو فریب دے کر کام نکالنا ہوا اور آنحضرتؐ دھوکا کرنے کی تعلیم کیسے دے سکتے ہیں؟ ظاہری طور پر یہ حیلہ جوئی کی نوعیت کی بات ہے۔ میرے خیال میں راوی نے روایت کے مضمون میں اپنی سوچ شامل کر دی ہے جس سے یہ بات بدنما ہو گئی ہے۔ روایت بالمعنی میں یہ قباحت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگلی روایت میں یہ قباحت دور ہو گئی ہے۔

۲۰۳۶۔ حدثنا عبدالله بن یوسف اخبرنا مالک عن نافع عن عبدالله بن عمرؓ ان عائشۃؓ ام المومنین ارادت ان تشتری جاریۃ فتعتقها فقال اهلها نبیعکها علی ان ولاءها لنا فذکرت ذالک لرسول الله ﷺ فقال لا یمنعک ذالک فانما الولاء لمن اعتق.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی (بریرہ) خرید کر آزاد کرنا چاہی۔ اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس اس شرط پر بیچتے ہیں کہ اس کا ولاء ہمارے پاس ہو گا۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی یہ بات تمہارے فیصلہ میں مانع نہ ہونی چاہیے، اس لیے کہ ولاء تو اس کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے۔

وضاحت: فی الحقیقت روایت اسی طرح ہونی چاہیے تھی جیسی یہاں ہے۔ میں اس کو درست مانتا ہوں اور اس سے مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے ان الفاظ سے کہ یہ چیز تمہارے لیے مانع نہ ہو، وہ قباحت پیدا نہیں ہوتی جو اوپر کی روایت میں پیدا ہوئی ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اس بات کے باعث تم لونڈی آزاد کرنے کا ارادہ ترک نہ کر دینا۔ یہ بات تمہارے جذبہ خیر میں آڑے نہ آئے۔ کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ولاء کا حق آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔

(ترتیب: سید اسحاق علی)

امین احسن اصلاحی

رویت ہلال کا مسئلہ

(موطا امام مالک کی کتاب الصیام کی روایات)

موطا کی ترتیب میں امام مالک رحمہ اللہ نے کتاب الصیام کو کتاب الزکوۃ کے بعد جگہ دی ہے۔ یہ ترتیب محض اتفاقی نہیں بلکہ دین کی حکمت کے لحاظ سے ہے اور نہایت سائنٹفک ہے۔ قرآن مجید میں روزے کے احکام حرمت مال کے قوانین کے بعد آئے ہیں اور نبی ﷺ کی مشہور حدیث بنی الاسلام علی خمس (اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے) میں بھی صیام رمضان کا ذکر ایتاء الزکوۃ کے بعد ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں عبادتیں مطامع نفس کو لگام لگانے والی ہیں۔ زکوۃ مال کی طمع کو لگام لگانے کے لیے ہے اور روزہ خواہش، ہیجان وغیرہ کے غیر معتدل رجحانات کو ختم کر کے ضبط نفس اور تربیت تقویٰ کی راہ ہموار کرتا ہے۔

۱۸۶. ما جاء فی رؤیة الهلال للصوم والفطر فی رمضان

رمضان میں نیا چاند دیکھ کر روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں روایات

٦٣٩۔ حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ ذکر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له.

ترجمہ: عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا تو فرمایا کہ روزہ نہ رکھو جب تک نیا چاند نہ دیکھ لو اور روزہ رکھنا بس نہ کرو جب تک کہ اس کو نہ دیکھ لو۔ ابر کے باعث جب تم پر تاریک ہو جائے تو اس کا اندازہ کر لو۔

وضاحت: ہلال ابتدائی چاند کو کہتے ہیں۔ جن لوگوں نے لغت پر تحقیق کی ہے ان کے نزدیک دوسری اور تیسری تاریخ کا چاند بھی ہلال کہلاتا ہے۔ اس کے بعد اسے قمر اور مہینے کے وسط میں بدر کہتے ہیں۔ یہاں مراد پہلی کا نیا چاند ہے۔

افطار سے یہاں مراد ماہ رمضان کے مکمل ہونے کے بعد روزہ چھوڑ دینا ہے۔ گویا آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت دی کہ روزہ رکھنے اور چھوڑنے یا دوسرے الفاظ میں ماہ رمضان کے آغاز اور اختتام کا

فیصلہ ہلال کی رویت کی بنیاد پر کرو۔

ہلال کی رویت ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ اس میں بڑی مشکلات ہیں۔ نہ ہر شخص کی نگاہ اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ نیا چاند تلاش کر سکے اور نہ عوام الناس کو اس کے طلوع ہونے کے مقام کا علم ہوتا ہے۔ لہذا اگر کچھ لوگ چاند دیکھ لیتے ہیں تو وہ ان لوگوں کی رویت بھی تسلیم کی جائے گی جو دیکھنے والوں کی اس بستی میں رہتے ہیں۔

حدیث میں چونکہ اپنی رویت پر زور ہے لہذا اگر مکہ یا ایران یا افغانستان میں چاند دیکھا گیا ہو تو اس کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ ہاں البتہ اس پورے علاقہ میں جہاں مطلع کے اختلاف کا اندیشہ نہیں ہے اگر کسی جگہ چاند ہو گیا ہے تو اس کا اعتبار ہو گا اور وہ اپنی رویت ہی مانی جائے گی۔

اس زمانہ میں یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ دوربینیں میسر ہیں۔ نیز ہوائی جہاز میں سوار ہو کر چاند دیکھا جا سکتا ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو سورج اور چاند کبھی غائب نہیں ہوتے وہ ہر وقت موجود ہوتے ہیں، البتہ ہمیں نظر اس وقت آتے ہیں جب وہ خاص بلندی پر ہوں۔ وہ بلندی ہماری سطح زمین سے حساب میں آئے گی نہ کہ اوپر کی فضا میں جا کر۔ علی ہذا القیاس رویت سادہ آنکھ سے مطلوب ہے نہ کہ دوربینوں سے۔ اگر سائنسی آلات سے مدد لی جائے اور فضا میں بلند ہو کر چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے تو نہ صرف قرب و جوار کے ممالک میں بلکہ پوری دنیا میں ایک ہی دن ماہ رمضان کا آغاز اور اختتام ہو سکتا ہے لیکن ایسا کرنا شریعت میں مطلوب نہیں۔ یہ صوموا لرویته و افطروا لرویته کی خلاف ورزی ہو گی۔

رہ گئی یہ بات کہ چاند کی رویت کے لیے کتنی شہادتوں کا اعتبار ہو گا تو عام طور پر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر رمضان کا چاند ہے تو ایک آدمی کی شہادت پر بھی اعتبار کیا جائے گا لیکن عید کے چاند کے لیے دو شہادتیں طلب کی جائیں گی جو شرعی امور میں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ احناف کا قول یہ ہے کہ ابر کی صورت میں تو ایک آدمی کی رویت پر بھی اعتبار کر لیا جائے گا لیکن اگر مطلع صاف ہو تو پھر صرف جم غفیر کی شہادت قبول ہو گی۔ میں احناف کی اس رائے کو صحیح مانتا ہوں۔ اس زمانہ میں تو یہ زیادہ ضروری اس لیے بھی ہے کہ اخبار کے رپورٹروں کے نزدیک چاند کا نہ ہونا اہم خبر نہیں ہوتا، چاند کا ہو جانا اہمیت رکھتا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اس زمانہ میں کئی مقامات کی رویت کی شہادت انتظامی وسائل مہیا ہونے کی بنا پر جمع بھی کی جا سکتی ہے۔ لہذا ایک دو آدمیوں کی شہادت پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔

گواہی کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھیے کہ گواہ کا عادل اور قابل اعتبار ہونا ضروری ہے۔ وہ لاغی اور فضول قسم کا آدمی نہ ہو۔ مقامی لوگ اگر تصدیق کر دیں کہ یہ آدمی سچا اور قابل اعتماد ہے تو اس پر اعتبار کیا جائے گا۔

حدیث کے آخر میں ہے فان غم علیکم فاقدروا له. اس ٹکڑے کا مفہوم سمجھنے میں اختلاف ہوا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق آتا ہے کہ وہ اس کو ضیقوا له کے معنی میں لیتے تھے۔ اگر تو وہ اس کو آیت من قدر علیه رزقه پر قیاس کر کے تنگی کے معنی میں لیتے تھے تو یہ ایک تکلف ہے۔ وہاں بھی اصل معنی یہی ہیں کہ جس کا رزق وافر نہیں رکھا گیا بلکہ خاص اندازے کے ساتھ مقرر کیا گیا۔ مقابل معنی کے لحاظ سے اس کے معنی رزق تنگ کرنا کے کر دیے جاتے ہیں۔ اگر یہی معنی یہاں مراد لیے جائیں تب بھی سوال پیدا ہو گا کہ 'چاند کا قافیہ تنگ کرو' کا مفہوم کیا ہو گا۔ شاید یہ کہنا مقصود ہے کہ بہر حال بادلوں کے اندر ہی اس کو تلاش کرو۔ اگر نہیں ملتا تو فیصلہ کر لو کہ چاند نہیں ہوا۔

اس جملے کا دوسرا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ منجموں یا ماہرین فلکیات کی طرح حساب لگاؤ کہ چاند ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تیسرا مفہوم، جس کی تائید اگلی روایت سے ہوتی ہے، یہ ہے کہ اگر انتیس دن پورے ہو چکے ہیں تو ایک دن بڑھا کر ان کی تعداد تیس کر دو کیونکہ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے اور تیس دن کا بھی۔

یہاں مفہوم کے تعین کی یہ مشکل روایت بالمعنی ہونے کے باعث پیش آئی ہے۔ ہر راوی نہ یکساں بات سمجھ سکتا ہے نہ اس کو یکساں یاد رکھ سکتا ہے۔ اس وجہ سے روایات میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف کو طے کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ اپنے مطلب کی روایت لے لیں لیکن یہ خود غرضانہ بات ہو گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمام روایات باب کو جمع کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ پہلے لوگوں کے لیے تو یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ تمام روایات جمع نہیں ہو سکتی تھیں لیکن اب یہ کام مشکل نہیں ہے اس لیے کہ روایات کے ذخیرے موجود ہیں۔ ان میں غور کر کے مجمل کی تفسیر مفصل روایت کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔ میرے نزدیک یہاں بھی فاقدروا له کے الفاظ مجمل ہیں لیکن اگلی روایت میں اس اجمال کو کھول دیا گیا ہے۔ اس میں الفاظ یہ ہیں کہ فاکملوا العدة ثلاثین (تیس دن کی تعداد پوری کر لو) پس مطلع کے ابر آلود یا غبار آلود ہونے کی صورت میں تیس کی تعداد پوری کر لی جائے گی۔ البتہ اگر مطلع صرف مقامی طور پر صاف نہیں تو آج کے ذرائع کی مدد سے

آسانی یہ تحقیق ہو سکتی ہے کہ چاند ہوا یا نہیں۔ لیکن اس کے لیے دوسرے ممالک کی رویت کو بنیاد نہیں بنایا جائے گا۔

۶۴۰۔ **و حدثنی عن مالك عن عبدالله بن دینار عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال الشهر تسعة و عشرون فلا تصوموا حتی تروالهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیكم فاقدروا له**

ترجمہ : عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے لہٰذا جب تک چاند نہ دیکھ لو تو روزہ نہ رکھو اور روزہ رکھنا نہ چھوڑو جب تک اسے دیکھ نہ لو۔ ابر کے باعث اگر چاند نظر نہ آئے تو اس کا اندازہ کر لو۔

۶۴۱۔ **و حدثنی عن مالك عن ثور بن زین الدیلی عن عبدالله بن عباس ان رسول الله ﷺ ذكر رمضان فقال لا تصوموا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروه فان غم علیكم فاكملوا العدة ثلاثین.**

ترجمہ : عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کا ذکر کیا تو فرمایا، روزہ نہ رکھو جب تک چاند نہ دیکھ لو اور روزہ نہ چھوڑو جب تک اسے دیکھ نہ لو۔ اگر فضا ابر آلود ہونے کے باعث چاند نظر نہ آئے تو تیس کی تعداد پوری کر لو۔

وضاحت : صاف معلوم ہوتا ہے کہ اوپر والی روایت ہی دوسرے راویوں نے اپنے الفاظ میں بیان کی ہے۔ یہ ان کی یادداشت کے مطابق ہے اور انھوں نے اپنے اپنے فہم اور سلیقہ کے ساتھ روایت کی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ ایک آدمی کا سلیقہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ بات کو ایسے الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ اصل حقیقت اور اہم نکات بیان ہو جاتے ہیں۔ دوسرے آدمی میں سلیقہ نہیں ہوتا تو وہ بیان کرنے میں الجھنیں پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہ نہیں سمجھ پاتا کہ کون سی چیز حقیقت کو واضح کرنے والی ہے اور کس بیان میں کون سے نکات اہم ہیں۔

یہاں دیکھیے ان دونوں روایتوں میں نہایت قیمتی اضافے ہیں۔ پہلی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا یہ قول سامنے آیا ہے کہ مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ گویا رمضان اور شوال کے نئے چاند کی تلاش ۲۹ دن مکمل ہونے پر کی جائے گی اور اگر چاند نظر آ جاتا ہے تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ مہینہ مکمل نہیں ہوا۔ دوسری حدیث میں مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں تیس کی تعداد پوری کرنے کا حکم ہے۔

یہ، جیسا کہ میں نے واضح کیا، فاقدروا له کے اجمال کی تفصیل ہے۔

ان احادیث سے میرا یہ موقف واضح ہو جاتا ہے کہ روایت بالمعنی میں راوی حضرات الفاظ میں اپنے مذاق اور اپنی یادداشت کے مطابق کمی و بیشی کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مامون راستہ یہ ہے کہ ہر باب کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر حدیث کو سمجھا جائے۔ میں صحیح مسلم کی تعریف اسی پہلو سے کرتا ہوں کہ امام مسلمؒ ہر باب میں ایک خاص معیار کی تمام روایات جمع کر دیتے ہیں۔ حدیث پر غور کرتے وقت لغت، اعراب، نحو، نظائر اور شواہد پر تو غور کیا ہی جائے گا لیکن متن کی مشکلات تمام روایات پر غور کرنے ہی سے حل ہوں گی۔ اس بارے میں یہ چیز بھی کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ راوی فقیہ ہے یا غیر فقیہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کی فقاہت یا غیر فقاہت ہر شخص کے جاننے کی چیز نہیں ہوتی۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ ہم اگر واقف ہیں تو صحابہ کرام میں سے فقہاء صحابہ سے واقف ہیں لیکن روایت میں راوی صرف صحابی تو نہیں ہوتے۔ سند میں کئی دوسرے راوی موجود ہوتے ہیں اور الفاظ میں ان کا تصرف شامل ہو سکتا ہے۔

۶۴۲۔ امام مالک کے فتوے :

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ انھیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ خلافت میں نیا چاند سر شام دیکھا گیا لیکن انھوں نے روزہ اس وقت تک نہیں کھولا جب تک شام نہیں ہو گئی اور سورج غروب نہیں ہو گیا۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے اس شخص کے بارے میں، جو اکیلا رمضان کا چاند دیکھ لیتا ہے، یہ سنا کہ وہ روزہ رکھے گا۔ اس کے لیے افطار مناسب نہیں کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ یہ دن ماہ رمضان کا ہے اور جو شخص شوال کا چاند اکیلے دیکھے تو وہ روزہ نہ چھوڑے کیونکہ لوگ ایسا کرنے پر اس کو متہم کریں گے کہ ایک ایسے شخص نے جو ثقہ نہیں ہے روزہ چھوڑ دیا۔ لوگوں کو جب چاند نظر آئے گا تو کہیں گے ہلال تو ہم نے اب دیکھا ہے۔ اور جو شخص شوال کا چاند دن کے وقت دیکھے تو وہ افطار نہ کرے بلکہ اس دن کا روزہ مکمل کرے کیونکہ یہ ہلال آنے والی رات کا ہے۔

یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا کہ جب لوگ عید کے دن یہ سمجھ کر روزہ رکھے ہوئے ہوں کہ یہ رمضان کا دن ہے اور کوئی قابل اعتماد آدمی ان کو آ کر یہ بتائے کہ رمضان کا چاند ان کے روزہ رکھنے سے ایک دن پہلے دیکھا گیا تھا اور یہ کہ آج اکتیسواں دن ہے تو جس گھڑی ان کو یہ خبر پہنچے وہ روزہ کھول لیں۔ اگر یہ خبر زوال کے بعد ملی ہو تو وہ اس دن عید کی نماز نہیں پڑھیں گے۔

وضاحت : حضرت عثمانؓ کا یہ عمل کہ غروب آفتاب سے پہلے شوال کا چاند نظر آ گیا تو انھوں نے اس وقت تک روزہ افطار نہیں کیا جب تک سورج غروب نہیں ہو گیا، امام صاحب کی بلاغات میں سے ہے۔

یعنی انہوں نے یہ بات کہیں سے سنی لیکن انہوں نے اپنا ذریعۂ معلومات نہیں بتایا۔ عام حالات میں ایسی روایت کو، جس کے راوی معلوم نہ ہوں، کوئی اہمیت نہیں دی جاتی لیکن امام صاحب کا یہ مرتبہ ومقام مانا گیا ہے کہ وہ کثرت سے بلاغات کی روایت کرتے ہیں اور محدثین ان کو قبول کر لیتے ہیں۔

جہاں تک اصل واقعہ کا تعلق ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دن ابھی باقی تھا کہ چاند نظر آنے لگا لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کا اعتبار نہیں کیا اور اس کو آنے والے دن کا چاند قرار دیا۔ آج کل دوربینوں کی مدد سے اس طرح چاند دیکھنا ممکن ہو سکتا ہے لیکن اسلام نے ان معاملات میں عام ذریعہ معلومات ہی کا اعتبار کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد آگے امام صاحب کے فتوے ہیں کہ اگر کوئی غیر ثقہ آدمی رمضان یا شوال کا چاند اکیلے دیکھ لے تو کیا کرے۔ آدمی اگر بڑی حیثیت کا مالک نہیں، معاشرہ میں اس کو اعتبار واعتماد کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں تو ظاہر ہے کہ اس کی بات پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا۔ لہذا اسے چاہیے کہ وہ برملا شہادت دینے کے بجائے ذاتی طور پر اپنے مشاہدہ پر عمل کرے تاکہ اس پر تہمت نہ لگ سکے۔ امام صاحب کا یہ فتویٰ مصلحت پر مبنی ہے۔ جہاں تک شوال کا چاند دیکھنے کے باوجود روزہ رکھنے کے فتویٰ کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اصول کے لحاظ سے اس آدمی کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے اور موقع تہمت سے بچنے کے لیے پبلک میں کھانے پینے سے احتراز کرے۔ گھر کے اندر کھانے پینے پر قدغن لگانے کی کوئی وجہ نہیں۔

جہاں تک ثقہ اور غیر ثقہ میں امتیاز کا تعلق ہے۔ یہ کام بے حد مشکل ہے۔ نبی ﷺ نے تو ایک آدمی کی خبر پر روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے لیکن حضور اپنے ساتھیوں کا جتنا اندازہ کر سکتے تھے کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ ہمیں تو اس زمانہ میں جن لوگوں سے واسطہ ہے اگر آپ ثقاہت وعدالت میں ان سے کسی شخص کے بارہ میں رائے لیں تو ایک گروہ اس کو ملک من الملائکہ (فرشتوں میں سے ایک فرشتہ) بتائے گا اور دوسرا گروہ اس کو شیطان من الشیاطین اور دجال من الدجاجلہ (شیطان اور دجال کذاب) قرار دے گا۔ میرے نزدیک آدمیوں کو عادل اور غیر عادل یا ثقہ اور غیر ثقہ قرار دینے کا آلہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ہمیں بہر حال اپنے معیار پر ہی عمل کرنا ہے۔ آپ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ یہ تو فتنوں کا زمانہ ہے۔ اگر فتنہ کا زمانہ ہے تو دنیا کے کاروبار تو بند نہیں ہو جائیں گے۔

(ترتیب: احسان الحق)

اسالیب قرآن

خالد مسعود

اجمال کے بعد تفصیل

قرآن مجید نے اپنی ایک خصوصیت ان الفاظ میں بیان کی ہے: کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ (ہود: ۲) "یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں پہلے محکم کی گئیں، پھر خدائے حکیم وخبیر کی طرف سے ان کی تفصیل کی گئی"۔ اس کا بدیہی مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول ہوا تو ابتدا میں اس کی تعلیمات مختصر، گٹھے ہوئے اور جامع جملوں کی شکل میں نازل ہوئیں۔ پھر وہ بتدریج واضح تر اور مفصل ہوتی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور تمام معاملات سے مکمل طور پر باخبر ہونے کا تقاضا یہی تھا کہ وہ پہلے حکمت سے مملو آیات میں اپنا پیغام اتارتا اور اس کے بعد اس حکمت کے تقاضے تفصیل کے ساتھ سامنے لاتا۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے ایک بیج سے تنا پیدا ہوتا ہے تو وہ توانا ہو کر برگ وبار لانا شروع کرتا ہے۔ حکمت بھری عبارت میں کلیات اور بنیادی باتیں ہوتی ہیں جو نہایت عمیق غور وتدبر چاہتی ہیں۔ ایک عام آدمی بھی ان سے استفادہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے کیونکہ یہ کلیات بآسانی زبان زد عوام ہو جاتے ہیں، یوں بھی فطرت انسانی میں ان کی نمود ہوتی ہے لہذا لوگ ان کو تیزی سے قبول کرتے ہیں۔ البتہ ان کے تقاضے از خود لوگوں کی گرفت میں نہیں آتے، اس لیے ان کا شعور جلد بیدار نہیں ہوتا۔ یوں بھی عوام کے بہت سے تحفظات ہوتے ہیں جو ان تقاضوں کی طرف بڑھنے میں مانع ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کی ذات کا مجمل تصور ہر انسان کے ذہن میں ہے لیکن اس کی صفات اور ان صفات کے تقاضوں کو سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ ان کی وضاحت کے لیے دفتر کے دفتر لکھے جا چکے ہیں لیکن لوگوں کے ذہنوں میں ان کو داخل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ آخری پاروں کی بیشتر سورتیں شروع میں نازل ہوئیں جو نہایت مختصر بھی ہیں اور گٹھے ہوئے جملوں پر مشتمل بھی۔ یہ کلام بدیہی طور پر خوبصورت اور یاد رکھنے کے لیے سہل ہے۔ البتہ تعلیم اس میں بنیادی حقائق واخلاق کی ہے۔ بعد میں آہستہ آہستہ ان مضامین کو کھولا گیا اور بڑی سورتوں میں ان بنیادی حقائق کو زیر بحث لا کر ان کی تفصیل کی گئی، نیز ان کے تقاضے بیان کیے گئے۔ پھر مدنی دور میں یہی بنیادی باتیں ایک جامع اور ہمہ گیر نظام کی شکل میں نمایاں

ہوئیں، تب معلوم ہوا کہ اس بیج سے کس طرح کا ثمر آور درخت پیدا ہوا اور اس کے برگ وبار کون کون سی برکات کا مخزن ثابت ہوئے۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے وہ تو قرآن مجید کی مجموعی ہیئت سے تعلق رکھتا ہے اور یہ سورہ ہود کی آیت کا بدیہی تقاضا ہے۔ لیکن قرآن مجید کی یہی خصوصیت اس کے اسلوب بیان میں بھی نمایاں ہوتی ہے کہ پہلے کوئی لفظ، کوئی حقیقت، کوئی واقعہ، کوئی پیغام مجمل طریقہ سے آتا ہے، اس کے بعد وضاحت کر کے اس کو کھولا جاتا ہے تاکہ ان میں سے ہر چیز کی وضاحت بھی ہو جائے اور کوئی بات مبہم نہ رہے۔ اس اسلوب کی چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

(ا) الفاظ کی تفصیل

ا۔ سورہ بقرہ کے شروع ہی میں قرآن مجید کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ اس کے ایک آسمانی کتاب ہونے میں کوئی شک نہیں۔ هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ (یہ ہدایت ہے متقیوں کے لیے) اب لفظ 'متقی' میں اجمال ہے۔ خداترس آدمی کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے لیکن قرآن نے اس اجمال کی تفصیل یوں کر دی:

> "ان لوگوں کے لیے جو غیب میں رہتے ایمان لاتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں اس چیز پر جو تم پر اتاری گئی ہے اور جو تم سے پہلے اتاری گئی ہے اور آخرت پر یہی لوگ یقین رکھتے ہیں"۔ (بقرہ: ۳۔۴)

اس تفصیل سے خود بخود قرآن سے فائدہ اٹھانے اور ہدایت پانے والوں کی صفات و اوصاف کی وضاحت ہو گئی اور یہ معلوم ہو گیا کہ معاشرہ کے جو طبقات ان اوصاف کے حامل نہیں ہیں، مثلاً یہود، تو وہ اس صحیفۂ آسمانی سے ہدایت نہیں پا سکتے۔ اس تفصیل سے ان لوگوں کی طرف اشارہ بھی ہو گیا جو اس زمانہ میں متقی کہلانے کے اصل مصداق تھے یعنی صحابہ کرام کی جماعت۔

۲۔ سورہ مومنون کی پہلی آیت ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (کامیاب ہو گئے اہل ایمان) اگرچہ یہ جملہ اپنی جگہ مکمل ہے لیکن اس کا لفظ مومنون مجمل ہے جس کی وضاحت آگے آٹھ آیات میں کی گئی ہے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو نمازوں میں عاجزی کرتے، لغویاتوں سے احتراز کرتے، زکوٰۃ ادا کرتے، عفت و پاکیزگی کی زندگی گزارتے اور امانتوں، وعدوں اور معاہدوں کا پاس و لحاظ رکھتے ہیں۔ ظاہر

ہے کہ یہ ایمان کے تقاضوں کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایمان لانے میں محض زبانی اقرار و دعویٰ کافی نہیں بلکہ اس ایمان کے کچھ لوازم بھی ہیں جو عملی اظہار چاہتے ہیں۔ ان کے پورا کیے بغیر دعوائے ایمان کا ثبوت میسر نہیں آتا۔

۳۔ سورہ رعد میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم قرآن کی شکل میں جو دعوت پیش کر رہے ہو بعض لوگ اس کو قبول کریں گے اور دوسرے اس کی طرف سے دل کی آنکھیں بند کیے رکھیں گے۔ اول الذکر لوگ وہ ہیں جو صحیح عقل رکھنے والے ہیں، وہ اس کو اپنی فطرت کی آواز قرار دے کر اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ فرمایا اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ (رعد: ۱۹) "یاد دہانی تو اہل عقل ہی حاصل کرتے ہیں"۔ اس اجمال سے ان اہل عقل کی صحیح نشاندہی نہیں ہوتی جن کو قرآن نے مراد لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک عام آدمی دنیوی اعتبار سے ہر کامیاب انسان کو عقل مند ہی سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس اجمال کی وضاحت یوں فرمائی:

> "وہ جو اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اپنے پیمان کو توڑتے نہیں۔ اور جو اس چیز کو جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے اور سخت عذاب کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کی رضا جوئی میں ثابت قدم رہے اور جنہوں نے نماز کا اہتمام رکھا اور جو کچھ ہم نے ان کو بخشا اس میں سے سراً اور علانیۃً خرچ کیا، اور جو بدی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ انجام کار کی کامیابی انہی کے لیے ہے"۔ (رعد: ۲۰۔۲۲)

یہاں نہ صرف اہل عقل کی صفات کی تفصیل ہے بلکہ معاشرے میں موجود ان لوگوں کی طرف انگلی بھی اٹھا دی ہے جو اہل عقل ہونے کے اصل مصداق ہیں اور جو قرآن سے ایک بیدار مغز آدمی کی طرح استفادہ کر رہے ہیں۔

۴۔ سورہ ھمزہ میں ہے۔

ويل لكل همزة اللُّمَزة الذى جمع مالا و عدده يحسب ان ماله اخلده. (۱۔۳)

"ہلاکی ہو ہر اشارہ باز عیب جو کے لیے، جس نے مال سمیٹا اور اس کو گنتا رہا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو زندہ جاوید رکھے گا"۔

یہاں اشارہ باز عیب جو کہنے میں اجمال ہے جس کے باعث اس کردار کی حقیقت سمجھ میں نہیں آتی لیکن

اگلی دو آیات میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اس سے مراد نہایت حریص و بخیل آدمی ہے جو محبت مال میں جنون کی حد تک مبتلا ہے۔ وہ اپنے پیسے گن گن کر سنبھالتا ہے۔ دوسرے لوگ اگر غریبوں کو کچھ دیتے دلاتے ہیں تو وہ اشاروں سے اور زبان سے ان کا مذاق اڑاتا، ان کی تحقیر اور حوصلہ شکنی کرتا ہے تاکہ ان کی اس نیکی کے باعث اس کے طمع مال اور بخل پر لوگ اس سے بدظن نہ ہو جائیں۔ پھر یہ شخص مال سمیٹنے اور اس کو بینت بینت کر رکھنے میں جس انہماک کا مظاہرہ کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مال ہی میں اپنی زندگی پاتا اور اسی کے بل پر زندہ جاوید رہنا چاہتا ہے۔ گویا اجمال کی اس تفصیل میں ایک کردار کو مصور کر کے پیش کر دیا ہے کہ لوگ بہ آسانی پہچان لیں کہ یہ جامہ کس کس کے قد و قامت پر فٹ آتا ہے۔

(ب) اصولی حقیقت کی تفصیل

۱۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲۵۷، **اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور ......** الخ میں یہ اصولی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ اللہ ان لوگوں کا کارساز ہے جو ایمان لاتے ہیں۔ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا کفر ہوتا ہے ان کے کارساز طاغوت بنتے ہیں اور وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف دھکیلتے ہیں۔ اس اجمال کی وضاحت آگے آیات ۲۵۸ تا ۲۶۰ میں کی ہے جس میں تین واقعات پیش کیے ہیں۔ پہلا واقعہ ایک متکبر بادشاہ کا ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر بحث کی اور جب انہوں نے مسکت دلائل دے کر اپنا موقف بادشاہ پر واضح کر دیا تو کفر کی عصبیت نے غلبہ پا کر بادشاہ کے گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آنے کی راہ مسدود کر دی۔ دوسرا واقعہ ایک صاحب ایمان شخص کے متعلق ہے جس کا گزر ایک بستی کے کھنڈروں پر ہوا۔ وہ اس الجھن میں گرفتار ہو گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ اس تباہ شدہ بستی کو بھی نئی زندگی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اس الجھن سے نکالنے کے لیے موت کے بعد زندگی کے ممکن ہونے کا مشاہدہ خصوصی اہتمام سے کرایا۔ جب اس صاحب ایمان بندے پر حقیقت واضح ہو گئی تو وہ پکار اٹھا کہ میں مان گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تیسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے متعلق ہے۔ انہوں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی غیر معمولی قدرت سے ان کو موت کے بعد حیات کے ممکن ہونے کا مشاہدہ کروا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور خود انہی کے ہاتھوں ذبح ہونے والے پرندے زندہ ہو کر ان کے پاس واپس پہنچ گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان و یقین کی روشنی اور شرح صدر کی طمانیت عطا فرمائی۔

وہ اصولی حقیقت، جو اجمال کے ساتھ بیان ہوئی تھی، تفصیل کے بعد مثالوں کی روشنی میں واضح ہو کر سامنے آگئی۔

۲۔ سورہ الحجر میں فرمایا **نبیء عبادی انی انا الغفور الرحیم و ان عذابی ھو العذاب الالیم** (۵۰۔۵۱) "میرے بندوں کو آگاہ کر دو کہ بے شک میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی بڑا ہی دردناک ہے"۔

لوگوں میں یہ کمزوری عام طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ ہر مسئلہ میں اپنا من پسند پہلو چن لیتے ہیں اور دوسرے پہلو واضح بھی ہوں تو ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کے معاملہ میں بھی وہ اسی کمزوری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کی زبان سے یہ سننے میں آتا ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے، وہ قیامت میں ہم سب کو بخش دے گا۔ یہ تصور اس کے باوجود ہے کہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے حد عدل کرنے والا اور اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے۔ وہ مومن و کافر کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں کرے گا۔ قریش کو یہ غلط فہمی تھی کہ ان کو اگر اللہ تعالیٰ پیغمبر کی تکذیب کے جرم کے باوجود نہیں پکڑ رہا ہے تو یہ ان کے عنداللہ محبوب ہونے کی علامت ہے۔ یا پھر پیغمبر کا دعویٰ محض افتراء ہے، اس کو حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے متعلق تصور کو درست کیا ہے کہ نیک و بد، مومن و کافر کے ساتھ اس کا معاملہ الگ الگ ہو گا۔ اگر وہ پکڑ نہیں رہا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ وہ ڈھیل دے رہا ہے۔ جب وہ پکڑنے پر آئے گا تو دیکھو گے کہ اس کی سزا کتنی دردناک ہوتی ہے۔

اس اصولی حقیقت کی یاد دہانی کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کی زندگی کے واقعات کی روشنی میں، جو آیت ۷۷ تک پھیلے ہوئے ہیں، یہ دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے ابراہیم کے ساتھ کس طرح رحمت کا معاملہ کیا اور اس کے مقابل میں قوم لوط کو کس طرح عذاب کی ذلت میں مبتلا کیا۔

۳۔ سورہ انعام میں آتا ہے: **واذ قال ابراھیم لابیہ ازر اتتخذ اصناما الھۃ انی ارلک و قومک فی ضلل مبین وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموٰت والارض ولیکون من الموقنین** (۷۴۔۷۵) "اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم بتوں کو معبود بنائے بیٹھے ہو؟ میں تو تم کو اور تمہاری قوم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو

آسمانوں اور زمین میں ملکوت الٰہی کا مشاہدہ کراتے تھے تاکہ وہ (اپنی قوم پر حجت قائم کرے) اور کاملین یقین میں سے بنے"۔

یہ حوالہ اس بات کا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے دین کے کھوکھلے پن کو کس طرح ان کے سامنے بے نقاب کیا اور ان کی گمراہی پر ان کو ملامت کی۔ پھر بتایا ہے کہ حضرت ابراہیم آسمان اور زمین کے نظام پر برابر غور کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق بخشی سے ان پر اپنی معرفت کے اسرار و حقائق کھولے جن کی مدد سے وہ آفاق سے دلائل اخذ کرتے اور ان کی مدد سے اپنی قوم کے دلائل کا مقابلہ کرتے۔ اس اجمالی حوالہ کے بعد تفصیل سے وہ طریق کار واضح فرمایا ہے جو حضرت ابراہیم اختیار کرتے تھے۔ انہوں نے درجہ بدرجہ ستاروں، چاند اور سورج ہر چیز کے بارے میں قوم کو بتایا کہ یہ ملکوت الٰہی کے تابع اور اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے تحت مسخر ہیں۔ ان کا نمایاں ہونا بالکل عارضی ہے۔ عبادت کا حقیقی مستحق وہ ہے جو ان سب چیزوں کا خالق و آقا اور اس پوری کائنات کا بادشاہ حقیقی ہے۔ یہ تفصیل آیت ۸۳ تک پھیلی ہوئی ہے۔

۳۔ سورہ مائدہ میں فرمایا: **یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ما ذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب** (۹ : ۱) "اس دن کو یاد رکھو جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کرے گا، پھر پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔ غیب کی باتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے"۔

اس آیت میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس ذمہ داری کی بابت سوال کرے گا جو میثاق الٰہی کے حوالہ سے ہر نبی اور اس کی امت پر عائد ہوتی ہے۔ وہ انبیاء سے پوچھے گا کہ انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو حق کی کیا تعلیم دی تھی اور ان کی امتوں کا رویہ اس بارے میں کیا تھا۔ وہ معذرت کریں گے کہ ہمیں ان کے معاملات کا علم نہیں۔ تو خود ہی تمام غیب کا جاننے والا ہے۔ اس مجمل بیان کے بعد اس شہادت کی نوعیت کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت اور ان سے سوال و جواب کا ذکر وضاحت سے کر دیا ہے تاکہ اس شہادت پر دوسرے تمام انبیاء کی شہادت کا قیاس کر لیا جائے۔

(ج) واقعہ کی تفصیل

اس اسلوب کا استعمال واقعات کے بیان میں بھی ہوا ہے۔ ایک واقعہ کا ابتدا میں خلاصہ بیان کر کے بعد کو اس کو تفصیل سے سنایا گیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ سورہ طٰہٰ میں ہے: **ولقد عہدنا الی آدم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما** (۱۱۵) "اور ہم نے اس سے پہلے آدم پر ایک عہد کی ذمہ داری ڈالی تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم کی پختگی نہیں پائی"۔

اس آیت میں حوالہ اس عہد کا ہے جو آدم کو جنت میں مقیم کرتے وقت ہر نعمت سے فائدہ اٹھانے لیکن ایک خاص درخت کا پھل کھانے سے احتراز کرنے کے بارے میں لیا گیا تھا۔ آدم اس کو محفوظ نہ رکھ سکے جس کے نتیجہ میں وہ شیطان کے فریب میں آگئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور عزم کی کمی کے باعث وہ شیطان کے کید کا مقابلہ نہ کر سکے۔

اس اجمال کی تفصیل آگے کی آیات ۱۱۶۔ ۱۲۳ میں کی گئی ہے۔ اس میں عہد کی تفصیل، ابلیس کی چال اور آدم کے اس کے نرغہ میں آجانے کا مفصل بیان ہے۔

۲۔ مکہ میں نبی ﷺ کی دعوت کے آخری مرحلہ میں یہود بھی قریش کی پشت پناہی کے لیے آ دھمکے تھے۔ وہ چونکہ اہل کتاب تھے لہٰذا وہ اپنی کتابوں، اپنے معتقدات اور اپنی تاریخ کے حوالہ سے سوالات قریش کو سکھایا کرتے اور وہ ان کو نبی ﷺ کے آگے پیش کرتے کہ اگر وہ ان کا جواب نہیں دے پائیں گے تو تالی پیٹ دیں گے کہ دیکھو، یہ شخص خدا سے علم حاصل کرنے کا دعویدار ہے لیکن پچھلی آسمانی کتابوں کے حوالہ سے فلاں سوال کا جواب نہ دے سکا۔ اسی طرح کا ایک سوال اہل کتاب نے اصحاب کہف کے متعلق کیا تو اس کے جواب میں فرمایا:

> "کیا تم نے کہف و رقیم والوں کو ہماری نشانیوں میں سے کچھ بہت عجیب خیال کیا: جب کہ کچھ نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے اس معاملہ میں ہمارے لیے رہنمائی کا سامان فرما، تو ہم نے غار میں ان کے کانوں پر کئی برس کے لیے تھپک دیا۔ پھر ہم نے ان کو بیدار کیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون مدت قیام کو زیادہ صحیح شمار میں رکھنے والا نکلتا ہے"
>
> (کہف: ۹۔ ۱۲)

اہل کتاب کے القاء کیے ہوئے سوال کے جواب میں یہ مجمل بیان کافی تھا لیکن اللہ رب العزت نے آگے اس کی تفصیل کر دی جو آیت ۲۶ تک جاتی ہے۔ اس کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا **نحن نقص علیک نبأهم بالحق** (ہم تمہیں ان کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک اور مقصد کے ساتھ سناتے ہیں) مطلب یہ کہ ان لوگوں کا سوال تو محض شرارت کے لیے تھا یا اس سے کوئی خاص فائدہ اٹھانا چاہتے تھے

لیکن جب اصحاب کہف کا تذکرہ ہو ہی گیا ہے تو اس واقعہ میں جو سبق پنہاں ہے اس سمیت ہم تمھیں بتاتے ہیں کہ اصحاب کہف کیسے نوجوانوں پر مشتمل جماعت تھی، ان کا مقصد زندگی کیا تھا؟ انھوں نے حق کے لیے کتنی آزمائشیں جھیلیں؟ کیسے غار میں پناہ لی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت و حمایت میں کون کون سی شانیں دکھائیں؟ اور بالآخر کیسے ان کو کامیاب و سرفراز فرمایا۔ سو ان سوال کرنے والوں کو ان کے مناظروں میں الجھا رہنے دو اور اصل واقعہ کی روشنی میں اصحاب کہف جیسا طرز عمل اپناؤ۔

دعوت کے اس دور میں چونکہ مسلمان نوجوان بھی بڑی آزمائشوں سے گزر رہے تھے لہٰذا یہ واقعہ ان کے لیے تسکین فراہم کرنے کا ذریعہ بنا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ ہجرت کے موقع پر نبی ﷺ نے عارضی پناہ گاہ کے طور پر غار ثور کا جو انتخاب فرمایا تو اس کے لیے یہ واقعہ ہی مشعل راہ بنا ہو۔

۳۔ سورہ قصص میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی سرگزشت نہایت تفصیل سے سنائی گئی ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوا ہے:

> "فرعون سرزمین مصر میں بہت سرکش ہو گیا تھا اور اس نے اس کے باشندوں کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو اس نے دبا رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو ملک میں دبا کر رکھے گئے تھے، اور ان کو پیشوا بنائیں، اور ان کو وراثت بخشیں، اور ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں، اور فرعون، ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کے ہاتھوں وہ دکھائیں جس کا وہ اندیشہ رکھتے تھے"۔ (۴۔۶)

یہ اصل سرگزشت کا ایک تصور تمہید کے طور پر دے دیا ہے تاکہ وہ غایت و مقصد سامنے آ جائے جس کے لیے یہ سرگزشت سنائی جا رہی ہے اور قاری سرگزشت سنتے ہوئے اس طرح کھو نہ جائے کہ اصل حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ اس کے بعد سرگزشت کی تفصیل آیت ۴۶ تک بیان ہوتی ہے۔ اس میں یہ دکھایا کہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کے قتل کی حکومتی اسکیم کے نفاذ کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے باوجود کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کی، اور حفاظت ہی نہیں کی بلکہ ان کو دشمن ہی کے محل میں پرورش پانے کے لیے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کن کن طریقوں سے اس مقصد کے لیے راہ ہموار کی جو اوپر آیات ۴۔۶ میں بیان ہوا ہے۔ اس سرگزشت

میں بھی نبی ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لیے یہ سبق مضمر تھا کہ اللہ تعالیٰ اب بھی وہی شانیں دکھا کر ان کو محفوظ و مصئون رکھے گا اور آپ کے مخالفین، جو بالکل فرعون ہی کا کردار اپنائے ہوئے ہیں، اپنے برے انجام کو پہنچیں گے اور وراثت ارضی انھی دبائے ہوئے مسلمانوں کو عطا ہو گی اور یہ ملک میں اقتدار حاصل کریں گے۔

(د) پیغام کی تفصیل

ہر شخص جانتا ہے کہ سورہ بقرہ میں یہود سے مفصل خطاب ہے۔ اس کا آغاز آیت ۴۰ سے ہوا ہے اور تقریباً ایک سو آیات اس کے لیے مخصوص کی گئی ہیں۔ اس میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا حوالہ ہے، ان کے ساتھ جو وعدے وعید ہوئے ان کا تذکرہ ہے، ان کی تاریخ کے متعدد واقعات کے حوالے سے اور کئی حقائق کی پردہ کشائی کی گئی ہے۔ اس تمام بحث کا مقصد ان کو ان کے فرائض یاد دلانا اور دین حق پر ایمان لا کر اپنی تاریخی ذمہ داری کو پورا کرنے کی دعوت ہے۔ یہ بحث شروع ہوتی ہے تو ابتدا میں دعوتی رنگ میں ان سے یوں خطاب فرمایا ہے:

> "اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی، اور میرے عہد کو پورا کرو تو میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا، اور مجھی سے ڈرو۔ اور ایمان لاؤ اس چیز پر جو میں نے اتاری ہے، تصدیق کرتی ہوئی اس چیز کی جو تمھارے پاس ہے اور تم اس کے سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو۔ اور میری آیات کو حقیر پونجی کے عوض نہ بیچو اور میرے غضب سے بچتے رہو۔ اور حق و باطل کو گڈمڈ نہ کرو، اور حق کو چھپاؤ مت در آں حالیکہ تم جانتے ہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ کیا تم لوگوں کو تو وفاداری کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو اور حال یہ ہے کہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو؟ کیا تم سمجھتے نہیں؟ اور مدد چاہو صبر اور نماز سے، اور بے شک یہ بھاری چیز ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو ڈرنے والے ہیں، جو گمان رکھتے ہیں کہ انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں"۔ (۴۰۔۴۶)

اس اقتباس میں بعض باتیں تو اس پیغام سے متعلق ہیں جو دیا جا رہا ہے اور بعض باتیں موعظت و نصیحت، ابھارنے اور شوق دلانے کے لیے ہیں اور بعض چیزوں کی نوعیت ان تدابیر کی ہے جو اس پیغام پر

عمل میں رکاوٹ پیدا کرنے والی چیزوں کا مقابلہ کرنے کے لیے درکار ہیں۔ پیغام جن باتوں کا ہے وہ حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ بنی اسرائیل پر انعام کے تقاضے پورے کرنا۔
۲۔ خدا سے انھوں نے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کرنا۔
۳۔ قرآن پر ایمان لانا، جبکہ یہود کا موقف یہ تھا کہ وہ تو پہلے سے صاحب ایمان ہیں۔
۴۔ حق اور باطل کو گڈمڈ کر کے حقیقی واقعات کی صورت نہ بگاڑنا۔

آیت ۴۷ سے آگے پڑھیے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھی بنیادی ہدایت کے نکات کو لے کر ہر ایک کے بارے میں مدلل بحث کی گئی ہے اور اگر اس بارے میں یہود کا کوئی موقف سامنے آیا ہے تو اس کے بخیے ادھیڑے ہیں۔ مثلاً :

۱۔ انعام کی تفصیل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت کی زندگی سے نکالا اور تمھارے دشمن فرعون کو غرق کر دیا۔ تم سے بچھڑے کی پوجا کا گناہ سرزد ہوا تو احساس ہو جانے پر معافی دے دی گئی۔ خدا نے تمھیں تورات عطا کر کے جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ صحرا کے سفر میں تم پر بادل سایہ فگن کیے، پانی کی کمی دور کرنے کے لیے چشمے جاری کر دیے، خوراک کی کمیابی میں من و سلویٰ کی نعمتیں اتاریں۔ لیکن تم لوگوں نے ان احسانات کی ناقدری کی اور رب کے غضب کو بار بار دعوت دی۔ تم نے اللہ کی نافرمانی کو اپنا شعار بنالیا، انبیاء و مصلحین کی باتوں پر کان دھرنے کے بجائے تم ان کو قتل کر دیتے رہے۔ تم نے سمجھا کہ محض بنی اسرائیل میں سے ہونے پر تمھیں بخش دیا جائے گا۔ حالانکہ خدا کے ہاں اجر کا مستحق ہونے کے لیے شرط ایمان، عمل صالح اور آخرت پر یقین ہے۔ یہ سلسلہ آیت ۴۷ سے آیت ۶۲ تک ہے۔

۲۔ یہود ہمیشہ سے اس زعم میں مبتلا رہے ہیں کہ ان کو اللہ کے ساتھ عہد میں بندھا ہونے کی فضیلت حاصل ہے اور یہ عہد ابدی ہے۔ اسی بناء پر انھیں یہ توقع رہی کہ آخری پیغمبر جب تشریف لائیں گے تو وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں گے اور وہ ان کو ذلت و رسوائی کی دلدل سے نکالیں گے۔ لہٰذا نہایت تفصیل سے انھیں بتایا گیا کہ یہ عہد یک طرفہ نہیں تھا۔ تم اگر اس کی پاسداری کرو تو اللہ تعالیٰ اپنا عہد پورا کرنے کو تیار ہے لیکن اس معاملہ میں تمھاری تاریخ کچھ اور ہی بتاتی ہے۔ تم نے سبت کی ذمہ داریاں نہیں نبھائیں، ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو حیلے بہانوں سے اس سے بچنے کی کوشش کی۔ اللہ کے کلام

میں اپنی مرضی سے تحریف کی اور اپنے فتووں کو اللہ کا حکم قرار دے کر پیش کرتے رہے۔ میثاق خداوندی کی شقیں بالکل واضح تھیں لیکن تم لوگوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ شریعت سے بے اعتنائی تمھاری عادت ثانیہ بن گئی۔ ذاتی دشمنیوں اور سیاسی معاملات میں تم نے میثاق کو نظر انداز کر دیا اور حیلہ شرعی ایجاد کر کے ذمہ داریوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہے۔ میثاق کی خلاف ورزی کا یہ بیان آیت ۸۶ تک چلتا ہے۔

۳۔ یہود کے پہلے سے صاحب ایمان ہونے کے دعویٰ کی قلعی کھولتے ہوئے ان کے ماضی و حال سے استدلال کیا ہے۔ ماضی میں تکبر کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے انبیاء کے قتل کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول کا انکار کیا اور ان کے دشمن ہو گئے۔ دنیا کی حرص اور موت کے خوف کے باعث انھوں نے ہمیشہ ایمان کے تقاضوں کو پس پشت ڈالا۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ کی آمد کے منتظر رہے لیکن حضور کی بعثت ہوئی تو دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ جبریل پر طعن کیا، سحر و ساحری اور عملیات سفلیہ کا سہارا لیا۔ آنحضرت کی مجالس میں بدتمیزی کرنے لگے۔ لوگوں کو ایمان سے پھیرنے کی کوشش میں لگ گئے اور پروپیگنڈا کی ایک سے ایک بڑھ کر مہم چلائی۔ خدا نے ان کو حسد کی ایسی آگ میں ڈالا کہ جس سے یہ نکل نہیں پا رہے ہیں۔ یہ سلسلہ بحث آیت ۱۲۱ تک چلا گیا ہے۔ بیچ بیچ میں حسب موقع مسلمانوں کو یہود کی شرارتوں سے محفوظ رہنے کے لیے ہدایات دی ہیں۔

۴۔ یہود نے کتمان حق کی کوششیں بھی کی تھیں اور تحریف کے عمل سے آسمانی صحیفوں میں تغیر کر رکھا تھا تاکہ وہ ہر اچھا وعدہ اپنے ساتھ منسوب کر سکیں اور اپنے حریفوں کو زک پہنچائیں۔ چنانچہ انھوں نے تورات سے مکہ مکرمہ، صفا و مروہ، حج، نماز وغیرہ ہر چیز کا ذکر محو کر دیا تاکہ بنی اسماعیل اپنے شرف کی کوئی دلیل ان کی کتابوں میں نہ پا سکیں۔ قرآن مجید نے حق کو از سر نو واضح کرنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمات اور ان کی ملت کا شاندار انداز میں اس طرح تذکرہ کیا ہے کہ ہر چیز اپنی اصل پر قائم ہو گئی ہے۔ اس سے نہ صرف بنی اسماعیل کا شرف ثابت ہوا بلکہ نبی ﷺ کی بعثت کی دلیل بھی مہیا ہوئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ قرآن نے دکھایا ہے کہ اصل دین یہودیت یا نصرانیت نہیں بلکہ ملت ابراہیم ہے جس کی پیروی ہونی چاہیے اور یہ کہ اولاد ابراہیم میں کئی نسلوں تک اسلام کا یہ تصور واضح رہا، بعد میں یہودیوں کی کارستانیوں کے نتیجہ میں اس تصور میں خلل واقع ہوا۔ اب جس کو شرف چاہیے وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کرلے۔ یہ سلسلہ کلام آیت ۱۴۱ تک چلا جاتا ہے۔

اس طرح پیغام کا ایک خلاصہ جو شروع میں دیا گیا تھا اس کے اجمال کی تفصیل میں تقریباً سو آیات نازل ہوئیں جنھوں نے پوری بات کو مبرہن کر دیا۔

اسلوب کے فوائد :

اجمال کے بعد تفصیل کے اس اسلوب کے بہت سے فائدے ہیں۔ امام حمید الدین فراہی نے ان کی وضاحت یوں کی ہے :

۱۔ کسا ہوا مجمل و مختصر کلام چونکہ بنیادی اصول و کلیات پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے اس کی تعلیم آسان ہوتی ہے۔ یہ باتیں عقل پر واضح ہوتی ہیں، انداز کلام خوبصورت اور یاد رکھنے کے لیے بہت آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگ اس کو تیزی سے قبول کرتے ہیں۔ اس کا علم اور اس پر عمل دونوں سہل ہوتے ہیں۔

۲۔ مجمل بات ایک لمحہ میں معانی و مطالب کا ایک بڑا ذخیرہ سامنے لا دیتی ہے۔ ایک عام آدمی اگرچہ اس سے پوری واقفیت حاصل نہ کر پائے تب بھی وہ ظاہری مفہوم کو اخذ کر لیتا ہے۔

۳۔ ایک حکیم جانتا ہے کہ محکم و مجمل کلام نہایت گہرے اور غور طلب معانی کا حامل ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اس پر غور کرے تو وہ باتیں بھی اس کی سمجھ میں آجاتی ہیں جن کی تفصیل موجود نہیں ہوتی۔

۴۔ مجمل بیان کے بعد جب تفصیل سامنے آتی ہے تو ذہن کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ مجمل بیان پہلے سے ذہن کو اس رخ پر ڈال چکا ہوتا ہے لہٰذا تفصیل کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

۵۔ مجمل اور مفصل کو جب ملا کر دیکھا جائے تو یہ بے حد لذت کا باعث اور خوبصورت ہوتا ہے۔

۶۔ اجمال کے بعد تفصیل ایک کند ذہن آدمی کے لیے بھی مفید ہوتی ہے۔ وہ مجمل انداز میں بات کو نہیں سمجھ پاتا تو تفصیل سے سمجھ لیتا ہے۔ اس کے لیے یہ اسی طرح کی چیز ہوتی ہے جیسے بات کو کسی کی تفہیم کے لیے دوبارہ کہہ دیا جائے۔

خالد مسعود

مکی اور مدنی دور میں منافقین کا کردار (۲)

(۷) معاند منافقین :

جس طرح عبداللہ بن ابی کا ایک ذاتی رنج منافقین کی ایک جماعت تیار کرنے کا باعث بن گیا اسی طرح مدینہ کے یہود اول روز ہی سے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا تہیہ کیے ہوئے تھے اور اس منصوبے پر عمل کرنے میں جہاں انھوں نے دوسرے سازشی اقدامات کیے وہیں اسلام کا لبادہ اوڑھا کر کچھ لوگوں کو اسلام میں داخل کر دیا۔ اس میں ایک سہولت جو انھیں حاصل ہوئی وہ اوس اور خزرج میں یہودیت اختیار کرنے والے لوگوں کی موجودگی تھی۔ ان کو نبی ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ میل جول میں کوئی دشواری نہ تھی کیونکہ وہ میثاق کی رو سے مسلمانوں ہی کی طرح کے حقوق رکھتے تھے۔ اور جب ان کے بعض لوگوں نے اسلام کا لبادہ بھی اوڑھ لیا تو اب ان کو حضور کی خاص مجالس میں رسائی بھی حاصل ہو گئی۔ ان حالات میں ان کو اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرنے کا پورا پورا موقع ملا۔ ان کو جو گائیڈ لائن یہودی سرداروں اور علماء و فقہاء سے ملتی اس پر یہ پوری وفاداری سے عمل کرتے اور نہ صرف اسلام کے مستقبل کے بارے میں لوگوں میں شبہات پیدا کرتے بلکہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر بھی اعتراضات اٹھاتے۔ یہ فی الحقیقت نبی ﷺ اور مسلمانوں کا معاند گروہ تھا جس نے ظاہری طور پر اسلام کی عبا پہن رکھی تھی۔ ان کی کارروائیوں کو ہم الگ الگ عنوانوں کے تحت لائیں گے :

ا۔ یہود کی مقصد براری :

یہ منافقین آئے بھی یہود میں سے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انھی کے وفادار اور آلۂ کار رہے۔ یہ انھی کے مقاصد کو پورا کرتے اور انھی کی رہنمائی میں چلتے۔ مسلمان ہونے کے تقاضے انھیں مسلمانوں کی ہاں میں ہاں بھی ملانی پڑتی اور ان کی عبادات میں بھی شامل ہونا پڑتا۔ نماز میں مارے باندھے مجبورانہ شامل ہوتے۔ اس میں یہ اگر تو برائے نام ہوتی دکھاوا زیادہ ہوتا۔ بعض اجتماعی معاملات

میں یہ بظاہر مسلمانوں کا ساتھ دیتے تو اس کے فورا بعد بھاگے ہوئے اپنے آقاؤں کے پاس جا کر وضاحتیں کرتے اور ان کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے۔ یہ اسلام کی خاطر اسلام کے دشمنوں سے دوستیاں ختم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ یہ برابر انھیں تسلی دیتے کہ ہم نے آپ لوگوں کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ضرورت پڑنے پر ہم آپ لوگوں ہی کے ساتھ آملیں گے۔ جب مسلمان ان کے رویہ کے بارے میں کوئی وضاحت طلب کرتے تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ امن اور صلح و آشتی کی راہ اختیار کریں، لہٰذا ہم دونوں پارٹیوں کے درمیان کی خلیج پاٹنا چاہتے ہیں۔ قرآن نے واضح کیا کہ یہ قدیم جاہلی نظام کو برقرار رکھنے کی ایک کوشش ہے جس میں معاشرہ صدیوں سے مبتلا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ فساد فی الارض، قطع رحم اور برادر کشی کی لعنت ختم ہو اور یہ لوگ اس کو سہارا دینا چاہتے ہیں۔

جب ان منافقین کے درمیان کوئی قضیہ پیدا ہوتا تو یہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ثالثی کروانے یا فیصلہ لینے کے لیے آنحضرت کی خدمت میں نہ آتے کہ وہ حق کے مطابق معاملہ کو طے کر دیں بلکہ وہ یہود کے سرداروں اور قاضیوں کی طرف رجوع کرتے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ان کے ساتھ ناانصافی کر دیں گے جبکہ یہود منصفانہ فیصلہ دیں گے۔ ان کا یہ رویہ اس کے باوجود تھا کہ اسلام نے ایمان کے بعد طاغوت کا انکار لازم قرار دے رکھا تھا۔

بعض لوگ یہودی سرداروں کی ہدایت کے مطابق اس کھیل میں بھی شریک ہو گئے کہ کچھ دنوں تک اسلام کا اقرار کرتے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر مذہب تبدیل کر لیتے کہ ہمیں اس میں وہ حق نظر نہیں آیا جو انبیاء لاتے رہے ہیں۔ اس حرکت سے وہ کمزور مسلمانوں میں اضطراب پیدا کرنا اور اسلام کی طرف میلان رکھنے والے یہودی ساتھیوں کو راہ حق سے پھیرنا چاہتے۔ اس ذہنیت کے منافقین کو قرآن نے خبردار کیا کہ یہ دین سے ارتداد کی روش ہے۔ اگر تمام منافقین بھی اس دین سے پھر جائیں تو اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہ ہوگی۔ وہ اپنے دین کے لیے ایسے لوگوں کو چن لے گا جو اس سے محبت رکھتے ہوں گے اور یہ محبت کسی مصلحت آمیزی پر مبنی نہیں ہوگی۔ وہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہوں گے جو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بڑے ہوشیار لیکن یہود و مشرکین کے ہاتھوں میں پتلیوں کی طرح ناچ رہے ہیں۔

اسلام پر یہود جن جن طریقوں سے حملے کرتے یہ ان کو اختیار کر کے ان کی تقویت کا باعث

بنتے۔ اس کے لیے باقاعدہ ان کی درپردہ ملاقاتیں ہوتیں، سازشوں کے تانے بانے بنے جاتے اور ان پر عمل درآمد کے لیے لائحہ عمل طے ہوتا۔ انھی ملاقاتوں کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ یہ ظلم، تعدی اور اللہ و رسول کی نافرمانی کے پروگرام طے کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ یہ لوگ انسانوں سے تو چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ ان غداروں اور بے وفاؤں کی تمام حرکتوں کو دیکھتا ہے۔ آج تو کچھ لوگ ان کی حمایت میں زبان کھول لیتے ہیں لیکن کل خدائے علیم و خبیر کی عدالت میں ان کی مدافعت کون کرے گا۔

ان لوگوں کا بے حد خطرناک منصوبہ قبا کے علاقہ میں ایک مسجد کی تعمیر کرنا تھا جبکہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد قبا ہی میں خود نبی ﷺ نے تعمیر کروائی تھی۔ وہ اس مسجد کا افتتاح خود نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے کروا کر مسلمانوں کو اس سے وابستہ کرنا چاہتے تھے۔ درحقیقت مسجد کے نام پر یہودی ساتھیوں کے لیے عین مدینہ کے اندر یہ شرارت کا ایک مرکز اور سازش کا اڈا ہوتا۔ اس کا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا، کفر کے لیے تائید مہیا کرنا، مسلمانوں میں گروہ بندی کرنا اور اسلام کے دشمنوں کے لیے ایک پناہ گاہ مہیا کرنا تھا۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو اول تو قبا کی مسلمانوں کی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی۔ اس کے بعد کوئی یہودی اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اطراف مدینہ میں اسلام کی کوئی نئی تعبیر پھیلانا شروع کر دیتا جیسا کہ عیسائیت میں پال نے اور اسلام کے بعد کے ادوار میں عبداللہ بن سبا نے رول ادا کیا۔ نبی ﷺ کو قرآن میں یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ہرگز اس نام نہاد مسجد میں نماز نہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر اس کو ڈھانے کا حکم دیا۔

۲۔ امن و جنگ میں رویہ :

یہ منافقین زمانہ امن میں افواہیں اڑاتے اور مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے سنسنی خیز خبریں پھیلاتے تاکہ ان میں انتشار فکر پیدا ہو اور پوری دل جمعی اور یکسوئی کے ساتھ یہ اسلام کا ساتھ نہ دے سکیں۔ قریش کے حملوں کا چونکہ ہر وقت خطرہ رہتا اس لیے نبی ﷺ وقتاً فوقتاً لوگوں کو جنگ کی تیاری کے لیے صدقات پر ابھارتے۔ اس کے نتیجہ میں اگر کوئی غریب مسلمان اپنے محدود وسائل میں سے کچھ پیش کرتا تو یہ لوگ اس کا مذاق اڑاتے جبکہ ان کا اپنا حال یہ تھا کہ ایسے مواقع پر صدقہ دینے کا وعدہ کر جاتے لیکن اس وعدہ کے پورا کرنے کی نوبت نہ آتی۔ دوسروں کا مذاق اڑانا محض اپنی حالت پر پردہ

ڈالنے کے لیے ہوتا۔ جب کسی جنگ کا واقعی خطرہ ہوتا تو خود اس میں حاضر ہونے سے جی چراتے اور دوسروں کو بھی پست ہمت کرتے۔ موت سے ڈرنا یہودیوں کی سرشت میں داخل ہے۔ چنانچہ یہ منافقین بھی اس حقیقت کو ذہناً قبول نہ کرتے کہ ہر شخص کی موت کے لیے ایک نوشتہ ہے۔ جب تک کسی کے نوشتہ کی مدت پوری نہیں ہوگی اس وقت تک اسے موت نہیں آئے گی۔ جنگوں سے غیر حاضر ہو جاتے اور بعد پر اس پر اطمینان کا اظہار کرتے کہ ہم نے ایک مصیبت سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ جنگ میں اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچتا تو اس پر شاداں و فرحاں ہوتے اور یہودیوں سے مل کر خوشیاں مناتے۔ اگر مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہوتی تو اسے حریف کی کامیابی سمجھتے گویا کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کا کوئی رشتہ ہی نہیں۔

۳۔ نبی ﷺ کی حیثیت سے بے خبری :

چونکہ یہودیوں نے یہ بات پھیلا رکھی تھی کہ اللہ کے رسول ان کے اندر سے مبعوث ہوں گے لہذا ان میں سے آئے ہوئے منافقین حضور کی رسالت پر شبہ ہی وارد کرتے۔ انھیں یقین نہیں آتا تھا کہ آپ ہر کام اللہ کی رہنمائی میں کرتے ہیں۔ اس لیے مہمات میں ناکامیاں ہوتیں تو ان کو وہ حضورؐ کے کھاتے میں ڈالتے۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ خیر و شر دونوں اللہ کے حکم سے ظہور میں آتے ہیں۔ ان کی یہ کوشش ہوتی کہ اپنے غلط سلط مشورے حضور کے کانوں میں ڈالتے رہیں اور حضور کو بھی راہ سے بے راہ کریں۔ وہ حضور کو عام سرداروں کی حیثیت دیتے حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کتاب و حکمت کی روشنی عطا کر رکھی تھی اور آپ کو ہر لغزش سے محفوظ رکھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طنز و استہزا کا معاملہ کرنے میں بڑے بے باک تھے۔ آپ کی مجلس میں کوئی ارشاد و نصیحت سنتے تو لوگوں سے پوچھتے کہ بتاؤ، اس تقریر سے کس کس کا ایمان تازہ ہوا ہے۔ مذاق اڑانے کے انداز میں کوئی جملہ چست کر دیتے اور جب اس کی تحقیق کی جاتی تو کہہ دیتے کہ وہ کوئی سنجیدہ بات تھوڑی تھی، محض سخن گسترانہ تبصرہ تھا۔ اس کو سنجیدگی سے کیوں لیا جا رہا ہے۔ آنحضرت کو بڑا کان کا کچا کہتے کہ ہر ایرا غیرا ان کے کانوں میں ہمارے خلاف جو بات ڈال دیتا ہے آپ اس کو مان لیتے ہیں۔ اس طرح لوگ ہمیں شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پھر وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے اخلاص کا یقین

والے۔ آنحضرتؐ جنگ کی بات کوئی ہدایت دیتے تو یہ لوگوں سے کہتے کہ ابھی تک ہماری سمجھ میں تو کوئی بات آئی نہیں کہ آپ فرمانا کیا چاہتے ہیں۔ اتنے اہم معاملات پر بے سوچے سمجھے آمنا و صدقنا کہنا تو صحیح نہیں۔

جس طرح یہ لوگ یہود کی مجالس میں مشورت کرتے، اسی طرح ضعیف ارادہ رکھنے والے مسلمانوں پر بھی ان کی نظر ہوتی اور ان کے ساتھ بھی سرگوشیاں کرتے۔ حتیٰ نبی ﷺ کی مجالس میں یہ سرگوشیوں سے باز نہ آتے۔ حضورؐ کے ارشادات پر ان کے تبصرے برابر جاری رہتے۔ کبھی یہ اپنے ساتھیوں کا جتھا بنا کر بیٹھتے اور کبھی مسلمانوں کو گھیر کر بیٹھتے تاکہ ان کی وسوسہ اندازی جاری رہے اور لوگوں پر سے آنحضرت کی تقریر کا اثر زائل ہوتا رہے۔ اس کے علاوہ اسلام پر طعن اور نبی ﷺ کی توہین نیز مسلمانوں کی دل آزاری کا مقصد بھی اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک زمانہ میں اپنی اہمیت بڑھانے اور نبی ﷺ کے کان بھرنے کے لیے ان لوگوں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ مجلس نبوی میں سے اٹھ کر حضور سے رازدارانہ سرگوشی کرتے۔ جب یہ فتنہ زیادہ بڑھ گیا تو قرآن مجید میں یہ احکام نازل ہوئے کہ لوگ مجلس میں جتھے بنا کر نہ بیٹھیں۔ باہم سرگوشیاں نہ کریں، اگر ان کو کھل کر بیٹھنے کی ہدایت کی جائے تو پھیل جایا کریں اور اگر کسی کو مجلس سے اٹھ جانے کا حکم دیا جائے تو بے چون و چرا اس حکم کی تعمیل کریں۔ یہ حکم بھی دیا گیا کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے رازدارانہ بات کرنے کا خواہش مند ہو تو وہ ایسا کرنے سے پہلے اللہ کی راہ میں صدقہ دے اور اس کے بعد اپنی بات کرے۔ بخل اور حرص مال میں مبتلا منافقین پر یہ حکم ایک بار گراں بن گیا جس سے یہ فتنہ دب گیا۔

۴۔ قرآن مجید پر طعن :

یہ بدبخت گروہ اپنی اغراض و خواہشات کے خلاف نازل ہونے والی ہدایت پر نکتہ چینی کرنے اور ان کو اعتراضات کا ہدف بنانے سے بھی نہ چوکتا۔ اپنی مجالس میں یہ لوگ آیات الٰہی اور شعائر اسلام کا مذاق اڑاتے۔ کبھی مسلمانوں کو گھیر کر ان کے سامنے بھی یہ حرکت کرتے تاکہ انھیں دین سے منحرف کریں۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار، یعنی کسی شوہر کا اپنی بیوی کو اپنی ماں کی طرح کہہ دینا، طلاق کے معنی میں لیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام میں ظہار کرنے والے کے لیے کفارہ تجویز کیا گیا۔ جب قرآن میں یہ حکم نازل ہوا

توان منافقین نے اس کو ہدف تنقید بناتے ہوئے یہ چرچا کیا کہ نعوذباللہ اسلام نے اپنے پیرووں کے لیے ماں کے ساتھ نکاح کو جائز کر دیا ہے۔ اسی طرح عرب منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے کی طرح سمجھتے اور متبنی بیٹے کی وفات یا اس کے طلاق دینے کے بعد اس کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس بات کو انسانی فطرت کے منافی قرار دیا اور اس بارے میں غلط تصورات کی بیخ کنی کے لیے خود نبی ﷺ کو عملی نمونہ پیش کرنے کا حکم دیا جس کے تحت آپ نے اپنے متبنی زید بن حارثہؓ کی مطلقہ حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح کیا۔ اس پر منافقین نے زبردست پروپگنڈا مہم چلائی اور آنحضرتؐ کے لیے پریشانی پیدا کی۔ جس پر قرآن نے یہ ہدایت دی کہ آپ ان کی بکواس پر دھیان نہ دیں اور کار نبوت کو انجام دیں۔ حضرت زینبؓ آپ کی پانچویں زوجہ تھیں جس سے منافقین کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ یہ رسول اپنے لیے دوسرے مسلمانوں سے الگ شریعت وضع کر لیتے ہیں۔ یہ چار بیویوں کی تعداد پر اکتفا نہیں کر سکے۔ اس پر قرآن مجید نے پوری وضاحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نکاحوں کی مصلحتوں پر روشنی ڈالی۔

علی ہذا القیاس منافقین نے قرآن کے ان احکام کو بھی ہدف تنقید بنایا جو طہارت، وضو اور تیمم کے سلسلہ میں نازل ہوئے اور جن میں یہود کی شریعت کے احکام مختلف تھے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت میں اس گروہ کا ایمان نہ قرآن پر تھا نہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر۔ ان کی تمام تر ہمدردیاں اور وفاداریاں یہود کے لیے تھیں اور انہی کی سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے یہ گروہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔ اصلیت کے اعتبار سے یہ لوگ یہودی ہی تھے۔

منافقین کے مسئلہ سے نمٹنے کے لیے ہدایات

اوپر کی تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ جن لوگوں کی طرف سے کمزوری ایمان یا نفاق کا مظاہرہ ہوا ان کی کئی قسمیں تھیں اور ہر ایک کی نفسیاتی یا معاشرتی الجھنیں الگ الگ تھیں۔ ان کے اثرات سے عامۃ المسلمین کو بچانا ضروری تھا۔ لہٰذا قرآن مجید میں حسب حال ہدایات دی جاتی رہیں اور یہ سلسلہ تقریباً نبیؐ کے پورے مدنی دور کو محیط ہے۔

جن لوگوں کا ضعف ایمانی مختلف شکلوں میں سامنے آیا ان کی تردید کے لیے قرآن مجید کے

طویل حصے نازل ہوئے جن میں ان کی ہر ہر غلط فہمی کو رفع کیا گیا۔ ان کو بتایا گیا کہ انہوں نے اسلام قبول کر کے گھاٹے کا سودا نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کی لازوال نعمتوں کا اپنے کو مستحق بنا لیا ہے۔ اس راہ میں جو قربانیاں وہ دیں گے وہ ان کے درجات کو بلند کرنے والی ہوں گی۔ جو لوگ راہ حق میں شہید ہوئے ہیں یہ ان کی ظاہری موت تو ضرور ہے لیکن وہ حقیقت میں کامیاب و کامران ہو گئے۔ جہاں تک موت کا تعلق ہے وہ تو نوشتۂ الٰہی ہے۔ کوئی شخص مضبوط قلعوں کے اندر رہ کر بھی اس سے نہیں بچ سکتا۔ پھر کیوں نہ اس کا سامنا اعلیٰ مقاصد کے حصول کی جدوجہد میں کیا جائے۔ جہاں تک آزمائشوں کا تعلق ہے ان سے ہر مسلمان کو بہر حال دوچار ہونا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ وہ جماعت جو تمام دنیا کی صلاح و فلاح کا ذریعہ بننے والی ہو، صالح و فاسد عناصر کا ملغوبہ بنی رہے۔ اسے اپنے کھرے اور کھوٹے بندوں میں امتیاز کرنا ہے تاکہ مخلص بندوں کی شناخت بھی ہو جائے اور وہ لوگ بھی نمایاں ہو جائیں جو اعتماد کے لائق نہیں۔ ان کمزور مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ وہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر استوار رہیں۔ آیات الٰہی کو حرز جان بنائیں اور ان لوگوں سے ہوشیار رہیں جو اپنے پروپگنڈا اور سازشوں کے ذریعے ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔

وہ منافقین جو اسلام کے مستقبل کے بارے میں غیر مطمئن تھے اور یہود کے ساتھ بھی تعلق قائم رکھنا چاہتے تھے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو بالآخر غلبہ عطا فرماتا ہے۔ رسولوں کی شکست ناممکنات میں سے ہے۔ لہٰذا اب رسول اللہؐ کے مخالفوں سے دوستی گانٹھنا اجڑے گھر کی دربانی ہے۔ اگر یہ ان کے آلہ کار بن جائیں گے تو یاد رکھیں کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ شیطان نے ان پر اپنا تسلط جما لیا ہے اور یہ خدا کی یاد سے غافل ہو کر اس کی پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ذلت ان لوگوں کا مقدر رہے گی۔ حقیقی ایمان انہی لوگوں کا ہوتا ہے جو اللہ اور رسول کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے والوں کو اپنا دوست اور محرم راز نہ بنائیں۔ اگر باپ، بیٹے، بھائی اور رشتہ دار بھی ان کے ایمان سے متصادم ہوں تو ان کو بھی دل میں جگہ نہ دیں۔ اسی صورت میں یہ اللہ کی پارٹی میں شامل ہونے کے دعویدار ہو سکیں گے۔

ان منافقین کو اس بات سے آگاہ کیا گیا کہ ان کا رویہ شرک سے بالکل ہم آہنگ ہے۔ ایک مشرک خدائے واحد کا مخلص نہیں ہوتا۔ وہ اس کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے اور اس کے حقوق میں

دوسروں کو شریک کرتا ہے۔ یہ منافقین بھی دم تو خدا اور رسول پر ایمان کا بھرتے ہیں لیکن ان کی مصلحتیں آڑے آجاتی ہیں اور یہ اس ایمان کے تقاضے یکسو ہو کر پورے نہیں کرتے بلکہ وفادار دوسروں کے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے خدا کے ہاں آخرت میں ان کا انجام وہی ہوگا جو مشرکین کا ہوگا اور یہ جہنم کے نچلے حصہ میں جھونکے جائیں گے۔ ان پر یہ بات بھی واضح کی گئی کہ آخرت میں یہ اپنے ظاہری ایمان کی بدولت مخلص مومنین کے ہمراہ چلنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن ان مومنین کے پاس تو نور ہوگا جس میں وہ اپنی شاندار منزل کی طرف رواں دواں ہوں گے۔ ان منافقین کو نور سے محروم رکھا جائے گا اور ان کے اور مخلص مسلمانوں کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی۔ یہ فریاد کر کے روشنی کے طالب ہوں گے تو جواب ملے گا کہ تمھارے دل مومنین کے ساتھ نہ تھے، تم انھی فتنوں میں مبتلا رہے جن سے خدا نے تمھیں نکالنا چاہا۔ تم نے حق کا ساتھ نہ دیا بلکہ اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دی، تم مومنین کے لیے آفتوں اور گردشوں کے منتظر رہے، تم نے کفر اور اسلام دونوں سے اپنا ناتا جوڑے رکھا، تمھیں ڈھیل دی گئی تو تم باطل کے لیے جری ہو گئے۔ تم سمجھے کہ تمھاری یہ دورخی پالیسی کامیاب ہے۔ شیطان تمھیں فریب دیتا رہا کہ تم اس پالیسی کے بل بوتے پر اپنے مفادات کا تحفظ کر لو گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمھارے دلوں پر وہی قساوت چھا گئی جو یہود کے دلوں پر چھا گئی تھی۔

ان منافقین کو بتایا ہے کہ اگر اپنی اصلاح عزیز ہے تو اللہ اور رسول کی مخالفت سے باز آجائیں، ایسی مجالس کا بائیکاٹ کریں جن میں اللہ اور رسول کا تمسخر ہوتا اور شعائر اسلام کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ صحابہ کرام کے طریقہ اور رویہ کو اپنائیں اور فتنہ و فساد کی سازشوں سے اجتناب کریں۔ مجالس میں اپنی گفتگوؤں کو گناہ، حق تلفی اور ظلم کے منفی اغراض و مقاصد کے بجائے معروف، صدقہ اور اصلاح معاشرہ کے مثبت کاموں پر مرکوز کریں۔ یہود و مشرکین کے ہاتھوں میں پتلیوں کی طرح ناچنے کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنا شعار بنائیں، اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے دل و جان سے حصہ لیں اور نام نہاد ناصحوں اور ملامت گروں کی پست ہمت کرنے کی کوششوں کو ناکام بنا دیں جن کا رول بالکل شیطانی ہے۔

یہودی منافقین کی معاندانہ سرگرمیوں سے ہر مرتبہ پردہ اٹھا کر قرآن نے دکھا دیا کہ ان کا اصل روپ کیا ہے اور ان کے سازشی اغراض و مقاصد کیا ہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کی نظروں میں آجائیں اور وہ ان کے معاملہ میں محتاط ہو جائیں۔ بتایا گیا کہ منافق مرد ہوں یا عورتیں، یہ

سب ایک چٹے کے بٹے ہیں۔ ان کا کام منکر کو پھیلانا اور معروف سے روکنا ہے۔ یہ انتہائی بخیل اور بد عہد ہیں۔ جھوٹ، فریب اور نقض عہد ان کی سرشت میں داخل ہے۔ کردار کے انھی منفی عوامل کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہ لوگ نفاق میں پختہ ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر سال ایک دو مواقع ایسے پیدا کرتا ہے کہ اگر ان کے اندر ذرا سی بھی صلاحیت ہو تو یہ توبہ و اصلاح کی راہ اختیار کریں لیکن ان کے معاملہ میں ایسا کرنے کا بھی کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوا۔ یہ دل و جان سے کافر ہیں اور ان کے لیے استغفار کرنا بھی جائز نہیں۔

مسلمانوں میں منافقین کے بارے میں دو رائیں پائی جاتی تھیں۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہمیں ان کے ساتھ میل ملاپ رکھنا چاہیے۔ اس طرح یہ آہستہ آہستہ عام مسلمانوں میں شامل ہو جائیں گے۔ دوسرے لوگ ان کی کرتوتوں کے باعث ان سے نفرت کرتے اور سمجھتے تھے کہ ان کے ساتھ معاملہ سخت گیری کا ہوگا تو یہ درست ہوں گے۔ قرآن مجید نے آغاز میں یہ ہدایت فرمائی کہ زیادہ سختی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ معقول اور معتدل رویہ اختیار کرنا ہی مناسب ہے۔ ان لوگوں کا خیال بھی صحیح نہیں جو میل ملاپ بڑھانے کے نتیجہ میں منافقین کی اصلاح کی توقع رکھے ہوئے ہیں۔ البتہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ اگر ان کی وابستگیاں ان منافقین کے ساتھ رہیں تو یہ اتنے کائیاں لوگ ہیں کہ ان سادہ لوح مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبیں گے۔ قرآن نے ان منافقین کے بارے میں زیادہ بحث و مباحثہ کی اجازت بھی نہیں دی، اور بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے کردار کو ناپسند کرتا ہے تو مومنین کا ایک گروہ کیوں ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے اور ان کو اہمیت دینے پر تلا ہوا ہے۔ قرآن نے واضح کیا کہ کوئی مسلمان اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ کفر صریح کے بالمقابل ان منافقین کا یہ متذبذب ایمان بھی بہر حال کچھ قدر و قیمت رکھتا ہے۔ فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کا کردار واضح کفر کے مقابل میں اسلام کے لیے زیادہ نقصان دہ ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ٹھکانا جہنم کے نچلے طبقہ میں رکھا ہے۔

نبی ﷺ طبعاً نہایت نرم خو اور عفو و درگزر سے کام لینے والے تھے۔ منافقین کے معاملہ میں ان کی کمزوریاں اور شرارتیں سامنے آجانے کے باوجود آپ نے اپنی کریم النفسی کی روش تبدیل نہیں کی۔ قرآن مجید نے اس رویہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ تم جیسا شفیق و ہمدرد و ہمدم پیغمبر ہم نے ان کی طرف بھیجا ہے۔ اگر تمھارا رویہ سخت گیری کا ہوتا تو لوگ تمھارے پاس آتے ہوئے ڈرتے۔ منافقین سے بھی عفو و درگزر کی پالیسی مناسب ہے۔ ان کو اعتماد دو اور اہم معاملات

میں ان سے مشورہ لیتے رہو تاکہ یہ اپنی اہمیت محسوس کریں۔ ان ہدایات کی روشنی میں اور اپنی طبع مبارک کے تقاضا سے نبی ﷺ کا معاملہ منافقین کے ساتھ نہایت کریمانہ ہوتا۔ اگر آپ ان کی کسی غلطی پر بھی متنبہ کرنا چاہتے تو نرم انداز ہی میں گرفت کرتے تاکہ رسوائی نہ ہو۔ آپ اگر کسی غلطی کی نشان دہی فرمانا چاہتے تو اس کے لیے بھی متعین طور پر غلطی کرنے والے کا نام نہ لیتے بلکہ یوں فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایسا ویسا کام کرتے ہیں۔ اس رویہ کے باعث منافقین دلیر ہوتے گئے کہ شاید ان کا فریب کامیاب ہو رہا ہے۔ چنانچہ آہستہ آہستہ پالیسی بدلنے کا حکم ہوا۔ ہدایت فرمائی گئی کہ ان کی حرکتوں سے اغماض برتو لیکن نیک و بد سمجھاتے رہو اور دل نشین پیرایہ میں ان کو نصیحت کرتے رہو کہ یہ اس روش کو اپنائیں جو ان کے لیے حقیقی طور پر نفع بخش ہے۔ اگر یہ درست نہیں ہوتے تو پھر ان کے ساتھ سخت معاملہ کیا جائے تاکہ ان کے پاس بچنے کا کوئی عذر باقی نہ رہے۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا جب آنحضرت کو حکم ہوا کہ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (تحریم۔۹) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سخت ہو جا)

چنانچہ جنگ احزاب کے زمانہ میں جب منافقین کی سازشیں حد سے بڑھ گئیں تو ان کو تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کے بارے میں چشم پوشی اور مسامحت کا رویہ ختم کر دیا جائے گا اور مشرکین کے ساتھ ساتھ ان کی دارو گیر کے احکام بھی دے دیے جائیں گے۔ جس سے مدینہ کی سرزمین ان پر تنگ ہو جائے گی، جو تحفظ انہیں حاصل ہے وہ ختم کر دیا جائے گا اور یہ عبرت انگیز طریقہ سے اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ انہی ہدایات کی روشنی میں افک کا چرچا کرنے والوں کے ساتھ سختی کی گئی، غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور مسجد ضرار گرا دی گئی۔ آخر میں جب مشرکین عرب کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ کرنے اور ان کے قلع قمع سے بھی دریغ نہ کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ منافقین کو بھی حتمی نوٹس دے دیا کہ وہ اپنی روش سے باز آ جائیں۔ دوسری صورت میں تیار رہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بدبختی کا بھانڈا پھوڑ دے گا۔ پھر ان میں سے جو دنیا میں عذاب کے مستحق ہوں گے ان کو آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی سزا کا سامنا کرنا ہو گا، باقی تمام منافقین آخرت میں تو اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔

محبوب سبحانی

قیامت کے بارے میں اشکالات

۳۔ حساب کتاب کس کے بس میں ہے؟

قیامت کے باب میں ایک اور اشکال یہ سامنے آتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے دنیا کے خاتمہ تک ان گنت انسان پیدا ہوئے جو ایک مدت تک زندہ رہے اور اس کے بعد مر گئے۔ انہوں نے اپنی خلوت اور جلوت میں چھوٹے بڑے جو بھی اچھے اور برے اعمال کیے اور ان کے اعمال کے نتیجہ میں نسلاً بعد نسل جو اچھے اور برے اثرات مرتب ہوئے، ان کا ریکارڈ رکھنا اور ان کا حساب کتاب کرنا کس کے بس میں ہے؟! اتنا باخبر کون ہو سکتا ہے کہ انسانوں کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کی خبر رکھتا ہو۔ اگر بفرض محال کوئی ان کا حساب کتاب کرنے بیٹھ بھی جائے تو اس کے لاکھوں کروڑوں برس اس میں صرف ہو جائیں گے۔ اس طرح حساب کتاب کا پورا معاملہ ہی بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کائنات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر چیز اس کی چھوٹی سے چھوٹی جزئیات کے ساتھ بنائی گئی ہے۔ درخت اگائے گئے ہیں تو اس کے پتوں کو ہی دیکھ لیجیے۔ ان کی شکلیں اور رنگ کتنے مختلف ہیں۔ ان میں کتنی چھوٹی بڑی رگیں موجود ہیں۔ درختوں کی تعداد اربوں سے بھی زیادہ ہے لیکن ان کے رنگوں، تنوں، چھالوں، جڑوں، پھولوں، پھلوں اور دوسری چیزوں میں کس قدر اختلافات ہیں۔ ہر درخت، پودا، گھاس اپنی معمولی سے معمولی تفصیلات کے ساتھ پیدا ہوئی ہے۔ سورج اور چاند کو دیکھیے۔ ان کے طلوع و غروب کا وقت مقرر ہے جس کی منٹ اور سیکنڈ کے ساتھ پابندی ہو رہی ہے۔ دنیا میں کروڑوں حیوانات موجود ہیں۔ ان کے خلیے، رگیں، اعضا، پٹھے، سر، آنکھیں، ناک، کان سب اپنی معمولی سے معمولی جزئیات کے ساتھ پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر آنکھ یا کان کا کوئی بھی جزو موجود نہ ہو تو وہ اپنا کام نہیں کر سکتا۔ اربوں قسم کے جراثیم اور وائرس موجود ہیں جو پانی، ہوا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ وائرس اتنے چھوٹے ہیں کہ طاقتور خوردبین کے بغیر نظر بھی نہیں آتے۔ اسی طرح انسان کے جسم پر غور کیجیے۔ پیدائش کے وقت بچہ کے دماغ کے خلیوں کی تعداد تقریباً سو ارب ہوتی ہے۔ یہ خلیے

اس کی حرکات و سکنات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ دماغ کے اندر سینکڑوں چھوٹی بڑی رگیں اور نسیں موجود ہیں۔ تین سو سے زائد ہڈیاں ہیں۔ دل کو متحرک رکھنے کے لیے تمام رگیں اور جسم کے دوسرے اعضاء مل کر کام کرتے ہیں۔ رگوں میں خون کی گردش کا الگ نظام ہے۔ سانس لینے کا الگ نظام ہے۔ جس میں اگر خرابی ہو جائے تو انسان کا دم گھٹ جاتا ہے۔ بیماریوں کے خلاف جسم کے اندر دفاعی نظام موجود ہے۔ انسان کے اندر مختلف جین ہیں جو اس کی مختلف صلاحیتوں اور قوتوں کو کنٹرول کرتی ہیں۔ یہ جین انتہائی باریک اور نظر نہ آنے والی ہیں۔ ان میں ایسی قدرت ودیعت کی گئی ہے کہ ان کے ذریعہ سے کسی شخص کے والدین کا بھی پتہ چل سکتا ہے۔ انسانی جسم پر صدیوں سے تحقیقات کی جارہی ہیں لیکن اس کی تفصیلات اس قدر زیادہ ہیں کہ ابھی اس کا علم مکمل نہیں ہوا ہے اور رہتی دنیا تک تحقیقات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ مزید براں انسان نے زمین سے سورج، چاند اور دوسرے سیاروں تک کے فاصلوں کو میٹروں تک میں ٹھیک ٹھیک ناپ دیا ہے۔ سمندروں کی گہرائی پوری صحت کے ساتھ معلوم کرلی ہے۔ اس کے عجائبات تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ سورج کے گرد زمین کی گردش کتنے دن، منٹ اور سیکنڈ میں مکمل ہوتی ہے اس کو بھی ٹھیک ٹھیک معلوم کر لیا ہے اور اس کی بنیاد پر کیلنڈر بنا دیا ہے۔ انسان نے صرف بڑے بڑے فاصلے ہی نہیں ناپے بلکہ بال جیسی باریک چیزوں کی موٹائی بھی معلوم کرلی ہے جو ملی میٹروں کے ہزارویں حصوں تک بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے فزکس کو صحیح صحیح پیمائش کی سائنس کہا جاتا ہے۔ اس کائنات میں تمام جاندار مخلوق اور انسان کی ہر ضرورت کی چیز مہیا کردی گئی ہے اور ان کے لیے انواع و اقسام کا سامان زندگی فراہم کر دیا گیا ہے۔ جس خدا نے یہ سارا اہتمام کیا ہے اور زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز کو اس کی معمولی سے معمولی جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ خلق کر دیا ہے، اور وہ بھی کسی زحمت کے بغیر صرف کلمہ کن کے ذریعہ سے ان سب کو پلک جھپکتے میں وجود بخشا ہے تو ایسے حکیم و خبیر و علیم اور باریک بین خدا کے لیے اپنے ہی خلق کیے ہوئے انسانوں کے اعمال کا مکمل ریکارڈ رکھنا کیوں ممکن نہیں ہوگا اور اس کو حساب کتاب میں کیوں دیر لگے گی۔ چنانچہ فرمایا:

ولقد علمنا المستقدمين منكم ولقد علمنا المستاخرين و ان ربك
هو يحشرهم انه حكيم عليم (حجر: ۲۴۔۲۵)

(اور ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کو بھی جانتے ہیں جو
بعد میں آنے والے ہیں اور بے شک تمہارا خداوند ہی ہے جو ان سب کو اکٹھا کرے
گا۔ بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے۔)

'اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا' کے معنی یہ ہیں کہ ان سب کو اکٹھا کر کے ان کا حساب کرے گا۔ وہ حکیم اور علیم ہے۔ اس کے حکیم ہونے کا تقاضا ہے کہ وہ ایک روز جزا و سزا لائے اور اس کے علیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نہ کوئی اس سے اوجھل ہو سکتا ہے اور نہ وہ کسی کے عمل سے بے خبر ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے کہ ہر جان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نگران اٹھائے ہوئے ہیں وہ اس کی ایک ایک بات کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورہ انفطار میں فرمایا:

و ان علیکم لحفظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون. (الانفطار: ۱۰۔۱۲)

(بے شک تم پر نگران مامور ہیں، دبیران گرامی، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔)

مطلب یہ ہے کہ اس مغالطہ میں نہ رہو کہ تمہاری جلوت و خلوت کی ساری باتوں سے کون باخبر ہو سکتا ہے کہ ایک دن ان کا محاسبہ کرنے بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر ایک کے اوپر اپنے نگران بٹھا رکھے ہیں جو تمہارے ہر قول و فعل کو نوٹ کر رہے ہیں۔ جو کچھ تم کہتے ہو یا کرتے ہو اس کو سنتے اور جانتے ہیں۔ ساتھ ہی وہ نہایت معزز ہیں۔ ان فرشتوں کی صفت کرام سے مقصود اس حقیقت کی یاددہانی ہے کہ یہ جس ڈیوٹی پر مامور ہیں اس کو نہایت فرض شناسی، پورے احساس ذمہ داری اور کامل غیر جانبداری کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ نہ کام چوروں کی طرح یہ اپنے فرض میں کوئی غفلت برتتے، نہ احساس ذمہ داری سے محروم لوگوں کی طرح کبھی دفع الوقتی اور مداہنت سے کام لیتے، اور نہ کسی کے دباؤ یا اس کی خوشامد میں آنے والے ہیں کہ کسی کے ساتھ جانبداری برتیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اور جہاں کہیں بھی کرتے ہو وہ سب ان پر واضح ہوتا ہے۔

یہاں صرف افعال جاننے کا ذکر ہے۔ لیکن سورۃ ق میں فرمایا:

ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید۔ (ق: ۱۸)

(نہیں بولتا ہے وہ کوئی بات مگر ایک مستعد نگران اس کے پاس موجود ہوتا ہے۔)

سورۂ ق میں یہ وضاحت بھی ہے کہ یہ فرشتے دو ہوتے ہیں اور دائیں بائیں دونوں طرف سے نگرانی کرتے ہیں۔ احادیث سے یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ ان میں تقسیم کار بھی ہوتی ہے۔ ایک نیکیاں لکھنے پر مامور ہوتا ہے دوسرا بدیاں لکھنے پر۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ انسان کے اعضاء و جوارح خود اس کے ہر قول و فعل کی گواہی دیں گے۔

> والسماء ذات البروج والیوم الموعود و شاھد و مشھود (بروج : ۳۔۱)
> (قسم ہے برجوں والے آسمان اور وعدہ کیے ہوئے دن کی اور دیکھنے والے اور دیکھی ہوئی کی)

شاہد اور مشہود سے مراد یہ ہے کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ جو کچھ وہ دنیا میں کر رہا ہے ان میں سے کوئی چیز خدا سے مخفی ہے بلکہ انسان جو کچھ کرے گا ایک ایک کر کے وہ اس کے سامنے آئے گا اور ہر چیز وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔ اس کے اعضاء و جوارح خود اس کے ہر قول و فعل کی گواہی دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے کراماً کاتبین اس کے جملہ نیک و بد اعمال و اقوال کی رپورٹ پیش کریں گے۔ حضرات انبیاء علیہ السلام اور صالحین و مصلحین بھی گواہی دیں گے کہ انھوں نے کیا بتایا اور سکھایا اور لوگوں نے ان کے اور ان کی تعلیمات کے ساتھ کیا سلوک کیا۔

قرآن مجید نے اس استبعاد اور مغالطہ کو دور کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہی خدا جو درخت سے گرنے والے ہر پتہ اور زمین میں دفن ہونے والے ہر دانہ کو جانتا ہے تمھیں مرنے کے بعد پھر اٹھائے گا اور جو کچھ تم نے دنیا میں کیا ہو گا اس سے تمھیں آگاہ کرے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا :

> وھو الذی یتوفکم بالیل و یعلم ما جرحتم بالنھار ثم یبعثکم فیہ لیقضی اجل مسمی ثم الیہ مرجعکم ثم ینبئکم بما کنتم تعملون وھو القاھر فوق عبادہٖ و یرسل علیکم حفظۃ حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا و ھم لا یفرطون ثم ردوا الی اللہ مولھم الحق الا لہ الحکم وھو اسرع الحسبین. (انعام : ۶۲۔۶۰)

> (اور وہی ہے جو تمھیں رات میں وفات دیتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم نے دن میں کیا۔ پھر تمھیں اس میں اٹھاتا ہے تاکہ مدت معین پوری ہو جائے پھر اسی کی طرف تمھارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمھیں باخبر کرے گا اس چیز سے جو تم کرتے رہے ہو۔ اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح حاوی ہے اور وہ تم پر اپنے نگران مقرر رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ پہنچتا ہے تو ہمارے فرستادہ ہی اس کی روح قبض کرتے ہیں، پھر وہ سب اللہ، اپنے مولائے حقیقی، کی طرف لوٹ جائیں گے۔ آگاہ کہ فیصلہ کا سارا اختیار اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب سے تیز حساب چکانے والا ہے۔)

اس میں یہ بات بھی واضح فرمائی ہے کہ یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ ساری خدائی کے اتنے لمبے چوڑے حساب میں اس کو کچھ زحمت پیش آئے گی یا اس میں زمانہ صرف ہو جائے گا بلکہ وہ سارا حساب ایک لمحہ میں سب کے سامنے رکھ دے گا۔ اس کی کتاب مبین ہر شخص کے چھوٹے بڑے عمل کا سارا ریکارڈ اس کے آگے پیش کر دے گی۔

سائنس دانوں نے کمپیوٹر ایجاد کر کے حساب کتاب کے متعلق اشکال کو خود ہی حل کر دیا اور اپنے اعتراض کا جواب مہیا کر دیا ہے۔ کمپیوٹر کو جو بھی معلومات کھلا دی جائیں بوقت ضرورت صرف ایک کلید دبانے سے وہ ان معلومات کو اگل دیتا ہے۔ اس ایجاد سے بڑے بڑے ضخیم انسائیکلوپیڈیا اور مختلف علوم کی کتابوں کو ایک چھوٹی سی طشتری میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ کمپیوٹر پر وہ طشتری چڑھانے سے جو معلومات درکار ہوں ذرا سے وقت میں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس میں ہر قسم کی معلومات کی فائل کھولی جا سکتی ہے جس میں وقتاً فوقتاً ریکارڈ کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جب بھی کوئی معلومات حاصل کرنا ہو ایک کلید دبا کر وہ نہایت آسانی سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جس حکیم و قدیر ذات نے انسانی عقل میں یہ قوت و استعداد ودیعت کی ہے اس کے لیے ایسا سپر کمپیوٹر بنا لینا کیوں مشکل ہو گا جس میں ہر انسان کے چھوٹے بڑے عمل کا ریکارڈ رکھا جائے۔ اور قیامت کے دن اس کے ذریعہ وہ ریکارڈ ہر شخص کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ سورہ کہف میں فرمایا کہ ان کا سارا کچا چٹھا ایک رجسٹر میں درج ہو گا اور جب یہ رجسٹر کھولا جائے گا تو مجرم کہیں گے کہ عجیب ہے یہ کتاب کہ کوئی چھوٹی بڑی بات بھی اس کی گرفت سے باہر نہیں۔

ووضع الكتاب فترى المجرمين مشفقين مما فيه و يقولون يويلتنا ما ل هذا الكتب لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصها ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا يظلم ربك احدا. (کہف : ۴۹)

اور رجسٹر پیش کیا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں ہے اس سے لرزاں ہیں اور کہیں گے ہائے ہماری شامت! یہ رجسٹر عجیب ہے جس نے نہ کوئی چھوٹا گناہ نوٹ کرنے سے چھوڑا ہے نہ کوئی بڑا گناہ۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہو گا سب موجود پائیں گے۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

یہ اہتمام اس لیے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ وہ ہر ایک کو وہی کچھ دے گا جو اس نے کیا ہو گا۔

اصل میں یہ مغالطہ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علم سے ناآشنائی کے سبب پیش آتا ہے۔ اسی سبب سے قومیں شرک میں مبتلا ہوئیں اور یہی چیز آخرت کے باب میں بھی بہت سی گمراہیوں کا سبب ہوئی کہ کس کا علم اتنا وسیع ہے کہ وہ نہایت باریک بینی سے ہر شخص کے چھوٹے بڑے اعمال کا ریکارڈ رکھے۔ سورہ کہف کی مذکورہ بالا آیت میں بھی اس مغالطہ کو دور کیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره . و من يعمل مثقال ذرة شرا يره. (الزلزال : ۸۔۷)
(پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھے گا۔)

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ ہر مومن و کافر کی ہر چھوٹی بڑی نیکی یا بدی اس کے سامنے آئے گی تو ضرور لیکن اس قاعدہ کے مطابق آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے دوسرے مقامات میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی ایک مومن یہ دیکھے گا کہ اس سے نیکیوں کے ساتھ فلاں فلاں غلطیاں بھی صادر ہوئی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی فلاں فلاں نیکیوں کو ان کا کفارہ بنا دیا ہے۔ اسی طرح ایک کافر یہ دیکھے گا کہ اس نے بدیوں کے ساتھ کچھ نیک کام بھی کیے تھے لیکن اس کے وہ نیک کام اس کے فلاں برے اعمال و عقائد کے سبب سے حبط ہو گئے اس وجہ سے وہ ان کے صلہ سے محروم رہا۔

۴۔ قیامت آ کیوں نہیں جاتی؟

مکذبین قیامت کا ایک اعتراض بطور استہزا یہ بھی تھا کہ قیامت سے روز روز ڈرایا جا رہا ہے اور اس کی برابر دھمکی دی جا رہی ہے تو یہ دھمکی کب حقیقت بنے گی۔ اگر قیامت کو آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی۔ ان کا مطالبہ یہ بھی تھا کہ قیامت کا وقت بتایا جائے اور اگر وقت بتایا نہیں جا سکتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ محض ڈراوا ہے اور قیامت نہیں آئے گی۔ ان کا یہ اعتراض ہماری عام زندگی کے معاملات سے متصادم ہے کیونکہ زندگی کی کتنی حقیقتیں ہیں جن کے وقت اور ان کی نوعیت کا علم نہیں ہوتا لیکن کوئی انسان ان کا انکار نہیں کرتا۔ بارش کے ہونے سے کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا لیکن اس کے ٹھیک ٹھیک وقت، اس کی مقدار اور اس کے مقامات کو نہیں بتا سکتا۔ اس زمانہ میں سائنس نے بڑی ترقی کی ہے اور موسم کا حال جاننے کے لیے نئے نئے آلات ایجاد اور طریقے دریافت ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود محکمہ موسمیات کی پیشگوئیوں کی حقیقت ظن و تخمین سے زیادہ کچھ نہیں۔ اسی طرح ایک عورت حاملہ ہوتی ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ عورت جنے گی لیکن کیا اور کب جنے گی اس کو خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ اسی طرح کسی کو یہ پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا، کیا فرائض انجام دے گا اور کن حالات و مشاغل میں اس کی زندگی گزرے گی۔

بڑے بڑے ضابطہ پسندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بڑی احتیاط سے اپنے پروگرام بناتے ہیں اور بڑی وضع داری سے ان کو نباہتے ہیں لیکن عین وقت پر کوئی ایسی افتاد پیش آ جاتی ہے کہ ان کا سارا پروگرام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ افراد تو در کنار حکومتوں تک کا حال یہ ہے کہ وہ بڑے اعتماد سے منصوبہ بندی کرتی ہیں کہ اس سال ہم اپنے ملک میں اتنی گندم یا اتنا چاول پیدا کریں گے لیکن موسم کا ذرا سا تغیر و تبدل اور بارش کا اتار چڑھاؤ ساری منصوبہ بندی پر پانی پھیر دیتا ہے۔ دور کیوں جائیے، آدمی کے لیے خود اپنی زندگی اور موت کا مسئلہ کتنی اہمیت رکھنے والا ہے لیکن کون جانتا ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا اور کہاں دفن ہو گا۔ آدمی گھر سے ہنسی خوشی کسی تقریب کے لیے نکلتا ہے اور وہاں سے اس کی میت واپس آتی ہے۔ پیدا کہاں ہوتا ہے، رہتا بستا کہیں ہے اور دفن کہیں ہوتا ہے۔ تو جب اتنی قریب کی ایسی واضح حقیقتوں کا علم بھی انسان کو نہیں ہے، حالانکہ یہ زندگی کے وہ حقائق ہیں جن کا کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، تو قیامت کا اگر وقت نہیں معلوم ہے تو وہ کیوں مشتبہ ہو جائے گی۔ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے وقوع کی

شہادت دے رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

ان الله عنده علم الساعة و ينزل الغيث و يعلم ما في الارحام و ما تدرى نفس ما ذا تكسب غدا و ما تدرى نفس باى ارض تموت ان الله عليم خبير. (لقمان: ۳۴)

(قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے، اور وہی بارش اتارتا ہے، اور وہ جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہوتا ہے، اور کسی کو پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گا، اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ بے شک اللہ علیم و خبیر ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کا وقت صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اگر کسی کو اس کا وقت معلوم نہیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیامت نہیں آئے گی۔

قیامت کے متعلق جو اشکالات پیش آتے ہیں اور جو اعتراضات پیدا ہوتے ہیں وہ آفاق و انفس پر غور کرنے سے دور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بعض اوقات انسان جھٹلانا تو کسی اور چیز کو چاہتا ہے لیکن اس کے خلاف کچھ کہنے کی گنجائش نہیں پاتا اس وجہ سے بعض سوالات چھیڑتا ہے تاکہ اس کے باب میں کچھ شبہات پیدا کرنے کی راہ کھلے۔ وہ خدا کی قدرت کی شانیں دیکھنے کے بعد طنز و استہزاء کے ساتھ سوال کرتا ہے کہ کیا جب ہم گل سڑ کر زمین میں رل مل جائیں گے تو اس کے بعد از سرنو زندہ کیے جائیں گے اور پھر اگلے پچھلے تمام انسانوں کے اعمال کا حساب کرنا کس کے بس میں ہو سکتا ہے۔ یہ سب سخن سازیاں اور بہانہ بازیاں ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کی پیشی اور اعمال کی جواب دہی کے منکر ہیں۔ اس چیز کو تسلیم کرنا ان کے دلوں کو بہت شاق ہے۔ اس وجہ سے اس سے گریز کے لیے یہ تمام عقلی استدلال اور شبہات گھڑے اور اٹھائے جاتے ہیں۔ مشرکین عرب خدا کے قائل تھے اس لیے خدا کے آگے پیشی کا صریح انکار ان کے لیے مشکل تھا، لیکن اس کو ماننے سے جو بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی تھیں وہ ان کے لیے بھی تیار نہیں تھے۔ لہٰذا اس سے گریز کے لیے اول تو وہ قیامت پر مختلف قسم کے شبہات وارد کرتے تھے اور اگر بدرجہ آخر اس کو مانتے بھی تھے تو اس کے نتائج سے بچاؤ کے لیے انہوں نے شرکا و شفعا ایجاد کر لیے تھے۔ آج بھی یہی صورت حال ہے۔ اگر جزا و سزا، عقل، عدل، فطرت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت کی رو سے واجب ہے تو اس کے لیے انسانوں کو قبروں سے اٹھا کھڑا کرنا اور ان کا حساب کرنا کیا مشکل ہے!

ادارہ

مضامین تدبر شمارہ ۶۱ تا ۷۰

		شمارہ نمبر
قرآنیات		
نظم قرآن کا علم کیوں ضروری ہے؟	حمید الدین فراہیؒ	۶۵
کیا پل صراط پر سے مومنین کو بھی گزرنا ہوگا؟	خالد مسعود	۶۳
اجمال کے بعد تفصیل (اسلوب قرآن)	خالد مسعود	۷۰
تفسیر تدبر قرآن کی امتیازی خصوصیات	خلیل الرحمن چشتی	۶۲
تدبر حدیث		
درس صحیح بخاری: کتاب البیوع	امین احسن اصلاحی / سید اسحاق علی	۶۱تا۷۰
درس موطا امام مالکؒ: کتاب الجامع کی روایات	امین احسن اصلاحی / سعید احمد	۶۱تا۶۹
کتاب الصیام (رویت ہلال کا مسئلہ)	امین احسن اصلاحی / احسان الحق	۷۰
سیرت النبیؐ		
نصاریٰ کے ساتھ جنگیں	خالد مسعود	۶۲
یہود مدینہ کو دعوت اسلام	خالد مسعود	۶۳
آنحضرتؐ کے خلاف یہود کی ریشہ دوانیاں	خالد مسعود	۶۵، ۶۶
مکی اور مدنی دور میں منافقین کا کردار	خالد مسعود	۶۹، ۷۰
حکمت قرآن		
نظریہ ارتقاء	محبوب سبحانی	۶۲، ۶۳
قیامت کی ضرورت	محبوب سبحانی	۶۳تا۶۸
قیامت کے بارے میں اشکالات	محبوب سبحانی	۶۹، ۷۰
تخلیق آدم اور اس کا مقصد	خالد مسعود	۶۸
مولانا امین احسن اصلاحیؒ		
مولانا امین احسن اصلاحی کی علمی خدمت	خالد مسعود	۶۷
صاحب طرز ادیب	محبوب سبحانی	۶۸
مولانا اصلاحی کا ادبی اسلوب	اختر حسین عزمی	۶۹
مولانا اصلاحی کی تحریر کے ادبی محاسن	عبد الرحیم	۶۹
تصانیف مولانا اصلاحی	عبد الخالق فاروقی	۶۳تا۶۵

ایک یادگار سفر	خالد مسعود	۶۳
بادۂ فراق	ضیاء الرحمٰن اعظمی	۶۳

مکاتیب اصلاحی

تفسیر تدبر قرآن، استفسارات	امین احسن اصلاحی	۶۱
علمی و تعلیمی مشاغل، تزکیہ نفس	〃	〃
جماعت اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد	〃	〃
علالت، ذہنی زندگی	〃	〃
اصلاحی برادری	〃	۶۱، ۶۲، ۶۳
متفرق	〃	۶۱
مکاتیب اصلاحی نمبر	خالد مسعود	۶۱

سیاسیات

آئین میں پندرھویں ترمیم کابل	خالد مسعود	۶۲
معاشرتی نظام کو بگاڑنے کی بین الاقوامی تحریک	خالد مسعود	۶۸

تفہیم دین

دور حاضر میں تفہیم دین کا صحیح طریقہ	خالد مسعود	۶۶

تبصرہ کتب

اسلامی قانون کی ترویج و تنفیذ عہد فیروز شاہی کے ہندوستان میں		۶۳
اسلام کا تصور جرم و سزا		۶۳
یاساری الجبل		۶۶
تفسیر قرآن کے اصول		۶۸
دجال۔ جلد اول / تزکیہ نفس / دو روشن ستارے		۶۹
شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ		۶۹
مقتولہ الصلاح		۶۹

متفرق

تدبر کے بارے میں	خالد مسعود	۶۵
ملی نقصان	خالد مسعود	۶۷
تدبر حدیث کی اشاعت	خالد مسعود	۶۹
تدبر کی علمی پیش رفت	خالد مسعود	۷۰
اشاریہ مضامین تدبر شمارہ ۶۱ تا ۷۰	ادارہ	۷۰

نئی اشاعت

تفسیر قرآن کے اصول

تالیف :۔ امام حمید الدین فراہیؒ ترجمہ و ترتیب :۔ خالد مسعود

موضوعات

1- قرآن میں تدبر و تفکر کی اہمیت
2- قرآن مجید کی ترتیب
3- قرآن۔ ایک مربوط و منظم کتاب
4- اصول تفسیر کو مدون کرنے کی ضرورت
5- اصول تفسیر سے متعلق چند تمہیدی مباحث
6- تفسیر قرآن کے اصول
7- اصول تاویل

قیمت -/80 روپے

اصول فہم قرآن

مصنف :۔ مولانا امین احسن اصلاحی ترتیب :۔ عبداللہ غلام احمد

موضوعات

- فہم قرآن کے لیے چند بنیادی اصول
  1- قرآن مجید کی دعوت عقل و فطرت پر مبنی ہے۔
  2- قرآن مجید کی ترتیب اتفاقی نہیں بلکہ توقیفی ہے۔
  3- قرآن حق و باطل کے امتیاز کے لیے کسوٹی ہے
  4- قرآن مجید قریش کی ٹکسالی عربی زبان میں نازل ہوا۔
  5- قرآن قطعی الدلالہ ہے۔
- نسخ اور اس کی حکمت
- حکمت قرآن کے فہم کے لیے اساس

قیمت -/34 روپے

اسباق النحو

مصنف :۔ خالد مسعود

- امام فراہیؒ کی کتاب پر مبنی نئی ترتیب کے ساتھ
- عربی زبان کے قواعد کی تعلیم کا جدید انداز
- اسم، فعل اور حرف کا ضروری تعارف
- ترجمہ کے لیے مشقیں

قیمت -/36 روپے

"میرے نزدیک یہ کتاب طلبہ فن کے لئے کافی ہے۔ اس سے عربی زبان عربی زبان سیکھنے کی راہ باز ہو جائے گی"۔ مولانا امین احسن اصلاحی

ملنے کا پتہ

1- ادارہ تدبر قرآن و حدیث۔ رحمان سٹریٹ 'مسلم کالونی سمن آباد' لاہور۔
2- دار التذکیر۔ رحمان مارکیٹ 'غزنی سٹریٹ اُردو بازار' لاہور۔